جلد ۱ | ۲۱ ماہ نبوت ۱۳۳۱ہش ۲ ماہ رجب ۱۳۷۲ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۵۲ء | نمبر ۳۵

خطاب بجماعت احمدیہ

(از حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب مدظلہ العالی)

اے قوم احمدی تو ذرا غور سے تو دیکھ
دینِ خدا کے واسطے تُو نے ہے کیا کیا

ہے دعویٰ وراثت اصحاب مصطفےٰ
ان کی طرح بتا تو سہی تُو نے کیا کیا

کن کن مصیبتوں میں وہ ثابت قدم رہے
کچھ یاد ہے تمہیں جو صحابہ نے تھا کیا

چھوٹا وطن عزیز چھٹے ہمنشیں چھٹے
کفار نے ہر عیش کو اُن کے فنا کیا

لُوٹے گئے شہید ہوئے راہِ دین میں
سب جان و مال اپنا خدا پر فدا کیا

پرکھا انہیں خدا نے ہزاروں طریق سے
لیکن انہوں نے حقِ محبت ادا کیا

پروانہ تھے وہ شمعِ صداقت کیواسطے
قرباں تھی رُوح گو تنِ خاکی جلا کیا

ہر امتحاں کے وقت وہ ثابت قدم رہے
بڑھ بڑھ کے اپنی جان کو قرباں سدا کیا

راضی خدا تھا اُن سے وہ اسکی رضا پہ خوش
ان عاشقوں نے نفس کو اپنے فنا کیا

اب اپنا اور ان کا تقابل ذرا کرو
کیا کیا وہ کر گئے مگر تم نے کیا کیا

وہ کتنے ملک ہیں جنہیں تبلیغ تم نے کی
کتنے دلوں کو شرک سے تم نے رہا کیا

اسلام کی اشاعت کامل کے فرض کو
تم ہی کہو کہ تم نے کہاں تک ادا کیا

کتنوں نے دین کے لئے دُنیا نثار کی
کتنوں نے جان و مال کو وقفِ خدا کیا

جو مال دے گئے تھے مسیحِ محمدی
کس کس کو تم نے وہ زرِ خالص عطا کیا

حصہ لیا ہے تم نے جو تبلیغِ دین میں
اعلانِ حق جو تم نے بہانگِ درا کیا

مُردوں میں جو تم نے پھونکی رُوحِ محمدی
یہ کام بھی بہت ہے مگر پھر بھی کیا کیا

جو سر بکف ہیں تم میں وہ ہیں چند ہی نفوس
بے شک انہوں نے عہد کو اپنے وفا کیا

لیکن ہنوز ایسے بہت ہیں جو سست ہیں
افسوس ان پہ ہے کہ بہت ہی بُرا کیا

ایسا نہ ہو کہ بابِ عمل بند ہو۔ تو پھر
رہ جاؤ تم یہ کہتے ہوئے ہائے کیا کیا

شکوہ کسی سے بھی نہیں اصغر ہمیں تو کچھ
جو کچھ گلا کیا ہے وہ اپنا گلا کیا

بھائی عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر سے شائع کیا۔

سیدنا امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق تازہ اطلاع

ربوہ مبارکہ۔ مورخہ ۱۸ر نومبر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے مدظلہ العالی بذریعہ تار اطلاع فرماتے ہیں کہ:-

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے بازو میں پھر فالج کے آثار کی شکایت ہے۔ گو اب کسی قدر افاقہ ہے

احباب اپنے مقدس آقا کی صحت کاملہ و عاجلہ اور درازی عمر اور مقاصد عالیہ میں کامرانی کے لئے مسلسل دعائیں فرماتے رہیں ؛

جو شخص کھڑا ہے وہ بیس صدیوں میں بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا مومن کو اپنی پیدائش کے مقصد پر غور کرنا چاہیئے

(ارشادات حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے حسب دستور سابق جماعت احمدیہ کا اکسٹھواں سالانہ جلسہ مرکز قادیان میں ۲۶ر ۲۷ر ۲۸ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں حصہ لینے اور اپنے ایمانوں میں جلا پیدا کرنے کی خاطر ہندوستان اور پاکستان کے مختلف مقامات سے احباب شامل ہوں گے۔ یہ جلسہ عام دنیوی جلسوں اور میلوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی برکات۔ انوار اور فیوض کا خصوصیت سے نزول ہوتا ہے۔

اس مقدس جلسہ کے مرکزی اخراجات کو پورا کرنے کے لئے سلسلہ کی طرف سے ہر احمدی پر سال میں ایک ماہ کی آمد کا دسواں حصہ بطور چندہ سالانہ شرح مقرر ہے۔ جو لازمی چندہ ہے جس کا جلسہ سالانہ سے قبل ادا کیا جانا ضروری ہے۔ جلسہ کے انعقاد میں ڈیڑھ ماہ سے بھی کم عرصہ رہ گیا ہے لیکن جماعتوں کی طرف سے اس چندہ کی ادائیگی کی رفتار بہت سست ہے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"آخر جو احمدی کہلاتا ہے وہ ایک مکان کی اینٹ بن چکا ہے۔ وہ زنجیر کا ایک حصہ بن چکا ہے اُس نے بیعت کرتے ہوئے وعدہ کیا ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ میں دین کے لئے جان و مال اور عزت سب کو قربان کر دوں گا۔ اس کا چندہ ادا نہ کرنا محض سستی اور غفلت ہے

یہ دین کا کام ہے جو سب کاموں پر مقدم ہے۔ اگر آپ لوگوں کو اب ادائیگی میں تکلیف کرنی پڑتی ہے تو وہ تکلیف تمہیں برداشت کرنی پڑے گی۔

نیز چندوں کی ادائیگی میں سستی اختیار کرنے والوں کے لئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مندرجہ ذیل ارشاد میں درس عبرت ہے فرمایا کہ "جو شخص کھڑا ہے وہ بیس صدیوں میں بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ بدبخت جیسا ماں کے پیٹ سے نکلا ویسے ہی یہاں سے چلا جائیگا نہ ماں کے پیٹ سے نکلنے نے اُس کے اندر تغیر پیدا کیا نہ قبر کے اندر جانے نے اسکے اندر تغیر پیدا کیا۔ ان معنوں میں نہیں کہ ماں کے پیٹ سے گناہوں سے پاکیزہ نکلا بلکہ ان معنوں میں جس طرح ماں کے پیٹ سے گندمیں لت پت نکلا اسی طرح وہ اس جہان سے گند میں لت پت چلا گیا۔ پس مومن کو اپنی پیدائش کے مقصد پر غور کرنا چاہیئے"

پس تمام احباب جماعت کو اس اعلان کے ذریعہ انکے اس فرض کی ادائیگی کیطرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اپنے ذمہ کے چندہ جلسہ سالانہ کو جلسہ سے قبل جلد از جلد ادا کر کے سبکدوش ہوں۔ اور اس عہد کو پورا کرنے والے بنیں جو انہوں نے بیعت کرتے وقت کیا تھا۔ — ناظر بیت المال قادیان

قادیان میں ایک تربیتی جلسہ

مورخہ ۸/۱۱/۵۲ کو بعد نماز ظہر زیر صدارت مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل مسجد اقصےٰ میں ایک تربیتی جلسہ منعقد ہوا۔ مکرم حافظ عبد العزیز صاحب نے تلاوت قرآن کریم کی اور ملک بشیر احمد صاحب ناصر نے حضرت مرزا شریف احمد صاحب مدظلہ العالی کی نظم ؎

اے قوم احمدی تو ذرا غور سے تو دیکھ
دینِ خدا کے واسطے تو نے ہے کیا کیا

پڑھی۔ اس کے بعد مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری سیکرٹری تعلیم و تربیت نے تعارفی رنگ میں تمام احباب کو ایسی تربیتی تقاریر کو دلچسپی سے سننے اور اُن نصائح پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ جو بزرگوں کی طرف سے اپنے عزیزوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔

اس کے بعد محترم مکرم حکیم خلیل احمد صاحب ناظر تعلیم و تربیت نے سورۃ آل عمران ع ۱۱ کی آیات "یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقٰتہٖ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانًا وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا کذٰلک یبین اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تہتدون۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر۔ واولٰئک ھم المفلحون۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینٰت۔ واولٰئک لہم عذاب عظیم"

کی نہایت احسن طریق پر تفسیر فرماتے ہوئے فرمایا کہ تقوےٰ اصل چیز ہے جس پر تمام نیکیوں کا دارومدار ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ

ہر نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اور اسکی طرف آیت قرآنی حق تقاتہ اشارہ کر رہی ہے اور پھر اس پر ہمیشہ کاربند ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ یعنی موت کے وقت تک اس پر قائم رہنا ہر شخص کا کام ہے۔ اور اس کا ذریعہ بھی بتا دیا کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا کہ قوم کے تمام افراد اس مقصد کو پانے کے لئے پوری کوشش کریں۔ اور اجتماعی جدوجہد سے اس گوہر مقصود کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور ہر فرد اپنی انفرادی حیثیت کو معمول کر تو می اجتماع کو قائم رکھے۔ اسکے ساتھ ساتھ تربیتی رنگ میں ایک نئی جماعت بھی تیار کی جاتی رہے تاکہ مرنے والوں کی قائم مقام ہوتی جائے۔ اور کبھی بھی ایسا وقت نہ آئے جب تعلیم و تعلم کا سلسلہ منقطع ہو بلکہ ہمیشہ اپنی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچانے کی سعی کی جاتی رہے۔

اسی سلسلہ میں محترم حکیم صاحب نے سب کو مل جل کر محبت پیار سے کام کرنے کی تلقین فرمائی۔ اور فرمایا کہ قادیان میں احمدیت کی اعلےٰ تعلیم و تربیت پا کر تیار ہونے والے بعض درویشوں کو جلد تبلیغ کے لئے باہر بھیجا جائے گا۔ تا وہ بھی حاصل کردہ نور کے ذریعہ لوگوں کو منور کریں۔

بعدہٗ صاحب صدر نے ان نصائح پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلائی اور محترم حکیم صاحب کو یقین دلایا کہ محکمہ تعلیم و تربیت کیطرف سے جو پروگرام بھی جماعت کی ترقی اور اُس کے فائدہ کے لئے مرتب کیا جائے گا۔ ہم سب دل و جان سے آپ کا تعاون کریں گے۔ اور آپ کی ہدایات کے ماتحت چلنے کی پوری کوشش کریں گے

بعد دعا جلسہ برخاست ہوا۔

درویش کھلاڑیوں کی کبڈی کے میچ میں شاندار کامیابی

قادیان ۱۵ر نومبر۔ ریڈ کراس سوسائیٹی کی طرف سے ایک میلہ پٹھانکوٹ میں منعقد کیا گیا۔ جس میں کئی دن کا پروگرام رکھا گیا۔ اور کبڈی کے میچوں کا بھی انتظام کیا گیا۔ سوسائیٹی کے منتظمین نے خاص طور پر سبارہ کے احمدی کھلاڑیوں کو شمولیت کے لئے مدعو کیا۔ اگرچہ ہمارے دوست درویشانہ زندگی گزار رہے ہیں اور ان کو علاوہ ذہنی پریشانیوں کے فرصت بھی بہت کم ملتی ہے۔ تاہم سلسلہ کی طرف سے مولوی برکت علی صاحب کی قیادت میں ٹیم بھجوا دی گئی۔ یہ امر باعث خوشی ہے کہ باوجود اس کے کہ کبڈی ایسے قواعد کے ساتھ کھیلی گئی جو ہمارے نوجوانوں کو پہلے سے معلوم نہ تھے۔ پھر بھی ہماری ٹیم دو میچ جیت گئی اور اس نے فائینل میچ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ احمدیہ ٹیم کی شرکت کی وجہ سے عام لوگوں نے بھی بہت دلچسپی لی۔ اور سوسائیٹی کے بہت سے ٹکٹ زائد فروخت ہوئے۔ کامیاب رہنے والی ٹیم اور اچھے کھلاڑیوں کو مورخہ ۲۰ر ماہ حال کو انعام بھی دیا جائے گا۔ جو جناب ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور تقسیم فرمائیں گے۔

مسئلہ تناسخ اور اُس کا ابطال

(۱)

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز امام جماعت احمدیہ نے ۲۸ر دسمبر ۱۹۲۲ء کو جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر "مسئلہ نجات" پر ایک پُر معارف تقریر فرمائی تھی۔ جس میں مسئلہ تناسخ اور اُس کے ابطال پر بھی خاص روشنی پڑتی ہے۔ احباب کے استفادہ کے لئے اُس حصہ کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے

(ایڈیٹر)

جو مذاہب تناسخ کو مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں انسان جو مختلف حالات میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی امیر ہوتا ہے کوئی غریب، کوئی صحیح و سالم ہوتا ہے کوئی لنگڑا لولا۔ کوئی عقلمند ہوتا ہے کوئی بے وقوف۔ کوئی چُست ہوتا ہے کوئی سست۔ کوئی طاقتور ہوتا ہے کوئی کمزور۔ غرض انسانوں کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ اور بلحاظ جسم، عقل اور متعلقات کے انسانوں میں فرق ہوتا ہے۔ یعنے بعض طاقتور ہوتے ہیں اور بعض کا جسم کمزور ہوتا ہے۔ بعض کی عقل تیز ہوتی ہے اور بعض کی کمزور۔ بعض مالدار ہوتے ہیں۔ بعض غریب۔ پھر بعض بیماروں کے ہاں پیدا ہوتے ہیں بعض غریبوں کے۔ غرض یہ تین قسم کے تفاوت یعنے جسمانی عقلی اور مالی ہمیں بنی نوع انسان میں ملتے ہیں یہ تو ابتداء کا حال ہے۔

درمیانی زندگی میں بھی ہمیں کئی تفاوت نظر آتے ہیں۔ بعض لوگ بلا سبب اور بلا وجہ ناکامیابی کا منہ دیکھتے ہیں۔ بعض معمولی کوشش سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔

انجام میں بھی یہی تفاوت ہے۔ بعض لوگ اپنے کاموں کو ختم کر کے مرتے ہیں۔ بعض لوگ اعلیٰ مقاصد اور ترقی کے لئے جد و جہد کرتے ہوئے اچانک مر جاتے ہیں۔ اور ان کے اچھے کام بغیر ختم ہونے کے درمیان ہی میں رہ جاتے ہیں۔ اگر زندگی کا کوئی مقصد ہے تو اس کا کیا مطلب ہے اور کیا توجیہ؟

ان اختلافات کی تین وجہیں بیان کی جا سکتی ہیں

۱۔ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حالت اختلاف میں پیدا کیا جاتا ہے یہی اس کی وجہ ہے۔

۲۔ یا یہ کہ یہ اختلاف والدین سے ورثہ میں ملتا ہے۔

۳۔ پچھلے اعمال کا نتیجہ ہے۔

ان توجیہوں میں سے کونسی درست ہے؟

ان میں سے پہلی اور دوسری بات کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ یہ قانون قدرت کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ گویا انسان کو اپنے اعمال پر مقدرت نہیں ہے اگر خدا نے انسان کو ان مختلف حالتوں میں بلا سبب پیدا کر دیا ہے۔ یا انسان کو تفاوت ماں باپ سے ورثہ میں ملتا ہے تو اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ انسان کو اپنے اعمال پر قدرت نہیں۔ کیونکہ خدا کا فعل یا اسکے ماں باپ کی حالت اسے بعض خاص حالتوں پر مجبور کر کے چلاتی ہے۔ اگر یہ درست بات ہے۔ تو پھر اس کو سزا کیوں ملے گی؟ جب خدا نے ہی ایک انسان کو اچھا یا بُرا بنایا۔ تو پھر اس کو جزا یا سزا کیسی؟ ایک شخص کو خدا نے شریروں میں پیدا کیا۔ اور وہ شریر ہُوا۔ ایک کو نیکوں میں پیدا کیا وہ نیک ہُوا۔ پھر ایک کو سزا اور دوسرے کو انعام کیسا؟ آپ ہی اچھا یا بُرا پیدا کیا تو پھر یہ عجیب بات ہوگی۔ اگر سزا بھی اور انعام بھی دے گا۔ اگر کہا جائے کہ خدا انہیں ایسا پیدا کرتا۔ بلکہ یہ باتیں اسے ورثہ میں ملتی ہیں تب بھی اس کے یہی معنے ہوں گے کہ انسان مجبوری کی حالت میں ہے۔ اور جب وہ مجبور ہے تو اس پر الزام کیسا؟ اور اس کے لئے انعام یا سزا کیوں؟ کیونکہ اعمال میں اس کا دخل ہی نہ تھا۔

دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ماننے سے خدا کے انصاف پر الزام آتا ہے کہ کیوں اس نے اپنے بندوں میں تفاوت کیا اس کا تعلق چاہتا تھا کہ وہ سب سے ایک سا ہی معاملہ کرتا۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ہر بات جو اس دنیا میں ہمیں نظر آتی ہے۔ وہ بلا سبب نہیں۔ پس یہ کہہ دینا کہ یہ تغیر اس لئے ہے کہ خدا نے یونہی چاہا درست نہیں کوئی ظاہری یا عقلی سبب اس کا موجود ہونا چاہیئے جو سوائے تناسخ اور نہیں ہو سکتا۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں کوئی بات بلا سبب نہیں اسی طرح کوئی بات بلا نتیجہ بھی نہیں۔ لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ جو شخص کسی اہم کام کو ادھورا چھوڑ کر مر جاتا ہے وہ اس لئے مر جاتا ہے کہ خدا نے یونہی چاہا تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ اس شخص کی زندگی بے نتیجہ رہی اور یہ بات علم قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ پس اس قسم کے حادثات کا بھی ایک ہی حل ہے۔ کہ وہ لوگ تناسخ کی وجہ سے ان حالتوں میں مر جاتے ہیں۔ تاکہ دوسری شکل میں اپنی ترقی کو جاری رکھیں۔

ان تمام اعتراضات کو پیش کر کے تناسخ کے ماننے والے کہتے ہیں کہ چونکہ دوسری وجوہ تو دلائل سے رَدّ ہو جاتی ہیں۔ اس لئے تیسری ہی وجہ ماننی پڑے گی کہ انسان کے پچھلے اعمال کے سبب سے یہ سب اختلاف ہے۔

ان کے اس دعویٰ کو یورپ کے بعض لوگوں کے بیانات سے بھی تقویت مل جاتی ہے۔ جو اُن کا نام تجربہ رکھتے ہیں کہ ہم روحوں سے باتیں کر لیتے ہیں۔ اور پھر اُن سے سوالات حل کرا لیتے ہیں۔ روحوں سے ہمیں معلوم ہُوا ہے کہ تناسخ درست ہے۔ یہ لوگ سپر چولسٹ کہلاتے ہیں۔ اور یورپ اور امریکہ میں اُن کا آجکل بڑا زور ہے۔

ابطال تناسخ یہ خلاصہ ہے قائلین تناسخ کی دلائل کا۔ اب میں ان باتوں کے جواب دیتا ہوں۔

(۱) اس ساری عمارت کی بنیاد ہی شک پر ہے ہر مسئلہ کی بنیاد علم پر ہوتی ہے مگر تناسخ کا مسئلہ ایسا ہے جو شک سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کی ایسی مثال ہے۔ جیسے کوئی شخص رات کو کہیں جا رہا ہو۔ ایک اور شخص اُسے دیکھے اور کہے کہ چونکہ یہ رات کو گلیوں میں جا رہا ہے۔ اور رات کو گلی میں پھرنے کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیئے۔ اس لئے یہ ضرور چور ہے۔ مگر یہ خیال اس کا غلط ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہ چور ہو اور ممکن ہے کہ وہ کسی ضروری کام کے لئے جا رہا ہو۔ مثلاً کوئی گھر میں بیمار ہو اور ڈاکٹر کو بلانے جاتا ہو یا ریل کا وقت ہو اور یہ گاڑی پر سوار ہونے جاتا ہو۔ یا مثلاً کوئی شخص ایک وسیع مکان بنانے لگے ایک اور شخص اُس کو دیکھے اور کہے چونکہ یہ بہت بڑا مکان بنا رہا ہے اور اس کے گھر کے آدمی اتنے نہیں ہیں جن کے لئے اتنے وسیع مکان کی ضرورت ہو۔ اور ایسا مکان بنانے کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ جو یہ ہے کہ یہ شخص منصوبہ باز ہے۔ اس جگہ اس کے ساتھی جو اُس کے ساتھ سازش میں شریک ہیں جمع ہُوا کریں گے اور یہ سمجھ کر اُس کو گرفتار کرانے کی کوشش کرے۔

تناسخ کے ماننے والوں کا طریق بالکل اسی کے مشابہ ہے وہ کہتے ہیں۔ انسانوں کی حالتوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد آپ ہی آپ اس کی یہ وجہ گھڑ لیتے ہیں کہ یہ پچھلی جون میں جیسے کام کرتے تھے ویسے ہی آج ان کو بدلے ملتے ہیں پس تناسخ درست ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ مگر یہ کس طرح معلوم ہُوا کہ اس کی یہی وجہ ہے کہ تناسخ کے باعث ایسا ہوتا ہے۔ اس کی بھی کوئی دلیل ہونی چاہیئے۔ کہ صرف تناسخ کے سبب سے ایسا ہوتا ہے۔ تناسخ کو ثابت کرنے کے لئے صرف یہ ثابت کر دینا کافی نہیں کہ انسانوں کے اختلاف کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ثابت کیا جائے کہ تناسخ ہی اس کی وجہ ہے۔

اب میں تفصیلاً ان کے اعتراضات کے جواب دیتا ہوں۔ پہلا اعتراض یہ تھا کہ اگر یہ مانا جائے۔ کہ خدا تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف الحالات ہی پیدا کیا ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ انسان کو اپنے اعمال پر قدرت نہیں کیونکہ جب اس کو بلا سبب کم طاقتیں دے کر بھیجا گیا ہے تو وہ کم ہی کام کرے گا۔ اور پھر مواخذہ کے نیچے آجائے گا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ نتیجہ جو نکالا گیا ہے۔ درست نہیں مقدرت اس سے باقی نہیں رہتی۔ مقدرت اس صورت میں باقی رہتی۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرماتا کہ زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر ملے گا اور کم والے کو کم مگر یہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ○ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (اعراف ع ۱) یعنے ہم اپنے علم سے لوگوں کے سامنے اُن کے تمام حالات بیان کریں گے اور ہم کبھی بھی ان لوگوں سے غائب نہیں ہوتے۔ اور اس دن وزن حق ہوگا پس جو شخص کہ ایسا ہوگا کہ اُس کا بوجھ زیادہ ہوگا وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اس آیت سے معلوم ہُوا کہ اعمال کی بناء پر نہیں بلکہ وزن کی بناء پر نجات ہوگی۔ اور وزن سے مراد تمام امور کا خیال ہے۔ جن کی بناء پر کسی امر کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ پس جبکہ ہر ایک انسان کے اعمال کو دیکھتے وقت اس امر کا لحاظ رکھا جائے گا۔ کہ اس نے کن حالات میں کن مشکلات میں یا کن اثرات کے نیچے یہ کام کیا تھا تو مقدرت میں فرق تو نہ آیا۔ کیونکہ جب ایک غریب آدمی ایک امیر کے برابر اخلاص رکھتا ہے اور اپنی طاقت کے مطابق دینی خدمات بجا لاتا ہے اور اس کے اخلاص کو وزن کر کے نہ کام کو اللہ تعالیٰ بدلہ دیتا ہے تو عدم مقدرت کا الزام کہاں باقی رہا۔ مدارج کے اختلاف کا جو اثر عمل پر پڑتا ہے یا سمجھ پر پڑتا ہے اُس کا خدا تعالیٰ اندازہ کر کے ہی جزاء دیتا ہے۔

مقدرت کا فرق تب اعتراض بنتا کہ اگر فیصلہ خدا تعالیٰ نے جو ذرہ ذرہ کو جانتا ہے نہ کرنا ہوتا۔ بلکہ انسانوں نے کرنا ہوتا جو بوجہ علم کی کمی کے صحیح موازنہ نہیں کر سکتے۔ کہ کسی شخص کے کاموں میں کہاں تک اسکے

حالات کا دخل ہے۔ اور کہاں تک اُسکے اپنے ارادہ کا دخل ہے۔ درحقیقت یہ اعتراض پیدا ہی اللہ تعالیٰ کی طاقتوں کے غلط اندازہ سے ہؤا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی صفات کو مدنظر رکھا جاتا اور انسان کی طاقتوں پر اس کی طاقتوں کا خیال نہ کیا جاتا۔ تو یہ دھوکہ کبھی نہیں لگ سکتا تھا۔

پس درست یہ ہے کہ انسانوں کی حالتوں میں اختلاف ہے۔ ایک کمزور ایک طاقتور ایک اعلیٰ اعلیٰ قابلیتوں والا ایک موٹے دماغ کا ایک بہت سے سامان رکھتا ہے۔ ایک تہی دست ہے ایک ایسے لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔ ایک ایسا ہے جو گمراہوں میں پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی درست ہے کہ جس طرح ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ مختلف لوگ مختلف حالات میں پیدا ہوتے ہیں یہ بات اس پیدا کرنیوالے کو بھی معلوم ہے اور ہم سے بڑھ کر معلوم ہے۔ اور پھر مزید برآں یہ بات ہے کہ وہ ان تمام اختلافوں اور ان کے اثر کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس کو کس قدر اور کس قسم کا بدلہ دینا چاہیئے۔ پس یہ اعتراض کوئی اعتراض نہیں۔

اس امر کی مثالیں کہ ان طبعی روکوں کا جن کو انسان نے پیدا نہیں کیا لحاظ رکھ لیا جائے گا۔ قرآن کریم اور احادیث سے بہت سی ملتی ہیں۔ ایک دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَةً وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَفَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (۴ - ۹۷ - ۹۸) مومنوں میں سے ایسے شخص جن کو کوئی طبعی روک نہیں اور جو باوجود اس کے گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں اور وہ جو خدا تعالیٰ کے راستہ میں مالوں اور جانوں کی قربانیاں کرتے ہیں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اپنے مالوں اور جانوں کو خدا کی راہ میں قربان کرتے ہیں مذکورہ بالا قسم کے گھر بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں بلند کیا ہے اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے نیکی کا وعدہ کیا اور اللہ نے مجاہدوں کو گھر بیٹھنے والوں پر بہت بڑے اجر کے ساتھ فضیلت دی ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف وہ لوگ مجاہدوں سے درجہ میں کم ہوں گے جو طاقت رکھتے ہوئے سستی کرتے ہیں لیکن وہ لوگ جو طاقت نہیں رکھتے۔ وہ اگر دل سے خواہش رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ کے رستہ میں جہاد کرنے کے لئے نکلنے والوں کے برابر ہی ہیں۔

پس معلوم ہؤا کہ خدا تعالیٰ ہر انسان کی مجبوریوں کو مدنظر رکھے گا اور ان کا لحاظ رکھ کر بدلہ دے گا حدیثوں میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسند احمد میں انس رضؓ سے روایت ہے اِنَّ بِالْمَدِیْنَةِ اَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مِنْ مَّسِیْرٍ وَّلَا قَطَعْتُمْ مِنْ وَّادٍ اِلَّا ... وَهُمْ مَعَکُمْ فِیْهِ قَالُوْا وَهُمْ بِالْمَدِیْنَةِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ (یعنے ایک دفعہ رسول کریمؐ ایک جنگ کے لئے جا رہے تھے۔ راستہ میں آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ مدینہ میں ایسے ہیں کہ تم کوئی سفر طے نہیں کرتے اور نہ کوئی وادی طے کرتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں (یعنے تمہارے برابر ثواب پا لیتے ہیں) صحابہ نے کہا یا رسول اللہ باوجود اس کے کہ وہ مدینہ میں بیٹھے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں کیونکہ اُن کو عذر نے روکا ہؤا ہے ورنہ دل سے وہ چاہتے تھے کہ جنگ میں ساتھ جائیں)۔

اس حدیث سے کس وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک اختلافِ حالات کو سزا جزا دیتے وقت اللہ تعالیٰ مدنظر رکھے گا۔ حتیٰ کہ ایک شخص اگر عذر کی وجہ سے گھر بیٹھ رہتا ہے۔ تو وہ انہی لوگوں کے ساتھ سمجھا جاتا ہے۔ جو جہاد میں حصہ لیتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں آتا ہے لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَعَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۹ - ۹۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھو ان احکام کو پورا کرنیکی جو لوگ طاقت نہیں رکھتے ان سے پوچھا نہیں جائے گا۔ اور نہ اُن سے جو مریض ہوں اور نہ اُن سے جن کے پاس روپیہ نہیں۔ جبکہ ان کے دل میں نیت ہو۔ کہ اگر یہ عذر نہ ہوں۔ تو ہم بھی ایسا ہی کریں۔

اسی طرح آتا ہے لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (۲۲ - ۳۸)

پہلی آیت میں جن عذروں کا ذکر ہے۔ وہ جسمانی ہیں۔ اس آیت میں مالی کمزوریوں کے متعلق فرماتا ہے یہ نہ سمجھنا کہ فلاں نے اتنا مال دیا ہے۔ اور ہم نے اس سے اتنا زیادہ دیا ہے۔ خدا کو مال نہیں پہنچتا بلکہ وہ چیز پہنچتی ہے۔ جو تمہارے دلوں میں ہوتی ہے جس کے پاس تقویٰ ہو اس کی اٹھنی بھی اس شخص کے سو روپیہ سے زیادہ قدر رکھتی ہے۔ جو تقویٰ سے خالی ہو۔

پس یہ کہنا کہ ایک شخص مالدار ماں باپ کے ہاں پیدا ہو کر زیادہ ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ جبکہ ایک دوسرا شخص غریب والدین کے ہاں پیدا ہو کر ثواب سے محروم رہ جاتا ہے غلط ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے حضور غریب کا ایک پیسہ مالدار کی بہت بڑی رقم کے برابر سمجھا جائے گا اگر ان دونوں نے اپنی اپنی طاقت کے مطابق صدقہ دیدیا ہے۔ پس نہ امیر کی رعایت ہے نہ غریب پر ظلم ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض پڑ سکتا ہے کہ مان لیا کہ جزا سزا پر اس اختلاف حالات کا کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن اس میں کیا حکمت ہے کہ اس اختلافِ حالات سے ایک کو تکلیف ہوتی ہے دوسرے کو آرام ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسا کیوں کرتا ہے؟ گو اس اعتراض کا تناسخ سے کوئی تعلق نہیں لیکن میں اس کا بھی جواب دیدیتا ہوں اسمیں کوئی شک نہیں کہ اس انتظام کے ماتحت بعض کو تکلیف ہوتی ہے اور بعض آرام سے رہتے ہیں۔ لیکن یہ تکالیف قانونِ قدرت کے ماتحت آتی ہیں نہ کہ قانون شریعت کے ماتحت مگر باوجود اس کے احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رحیم و کریم خدا نے بندوں کی اس تکالیف کا بھی خیال رکھا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ وَوَلَدِهٖ وَمَالِهٖ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰہَ تَعَالٰی وَمَا عَلَیْهِ خَطِیْئَةٌ (ترمذی) یعنے خدا پر ایمان لانے والے کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی خواہ اس کی جان کے متعلق خواہ اولاد خواہ مال کے متعلق کہ اسکے بدلہ میں جب وہ خدا تعالیٰ سے ملتا ہے تو اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ پس معلوم ہؤا کہ قانونِ قدرت کے ماتحت بھی جو تکالیف پہنچ جاتی ہیں اُن کا بدلہ انسان کو مل جاتا ہے۔ اور جب بہتر بدلہ مل گیا تو اعتراض نہ رہا۔ اب بتاؤ جو شخص لنگڑا ہو اسے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس وجہ سے میں جنت کے قریب ہو گیا ہوں تو وہ ضرور کہے گا کہ مجھے اس حالت کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ اُخروی انعامات اعلیٰ ہیں۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ کچھ صحابی کفار کے مظالم کی وجہ سے حبشہ چلے گئے تھے۔ جب انہیں معلوم ہؤا کہ امن ہو گیا ہے تو واپس آ گئے۔ ان میں سے ایک شخص کو ایک رئیس نے اپنی پناہ میں لے لیا وہ جس کو پناہ میں لیا گیا تھا۔ اس نے ایک دن دیکھا کہ ایک کافر مسلمان کو مار رہا ہے۔ اس نے جا کر رئیس کو کہہ دیا کہ میں آئندہ آپ کی پناہ میں نہیں رہتا۔ میں یہ نہیں برداشت کر سکتا۔ کہ دوسرے مسلمان ماریں کھائیں اور میں آپکی پناہ کی وجہ سے بچا رہوں۔ اس کی پناہ سے نکلنے کے بعد ایک دن کفار ایک مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شاعر نے اپنے شعر سنانے شروع کئے جن میں سے ایک شعر یہ تھا۔

الا کل شئی ما خلا اللّٰہ باطل
وکل نعیم لا محالة زائل

ترجمہ۔ سنو! ہر ایک چیز سوا اللہ کے ہلاک ہونیوالی ہے۔ اور ہر ایک نعمت آخر ضرور ضائع ہو جانیوالی ہے۔ اس پر اُس صحابی نے کہا یہ غلط ہے۔ جنت کی نعمتیں کبھی ضائع نہیں ہوتیں۔ چونکہ عربوں میں بڑوں کا ادب بہت کیا جاتا تھا اس شاعر نے بہت شور مچایا اور کہا کہ اے مکہ کے شرفا، تم میں پہلے تو مہمان کو اس طرح ذلیل نہیں کیا جاتا تھا۔ اس پر مجلس میں آ کر ایک کافر نے اُس صحابی کو اس زور سے مکہ مارا کہ اُسکی ایک آنکھ کو سخت صدمہ پہنچا۔ اس مجلس میں وہ شخص بھی بیٹھا ہؤا تھا۔ جس نے اس صحابی کو اپنی پناہ میں رکھا تھا اُس نے کہا دیکھا میری پناہ میں سے نکلنے کا کیا نتیجہ نکلا۔ اب بھی وقت ہے۔ تو میری پناہ میں آ جا۔ صحابیؓ نے کہا میری ایک آنکھ کو اگر تکلیف ہوئی تو کیا پرواہ ہے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ میں اس سے تیری پناہ میں آ جاؤں گا؟ میری تو دوسری آنکھ بھی انتظار کر رہی ہے کہ خدا کی راہ میں اس کو بھی وہی دکھ پہنچے جو پہلی کو پہنچا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کو یقین ہو کہ ہماری تکالیف کا نیک بدلہ ملنے والا ہے۔ وہ ان تکالیف کو تکالیف ہی نہیں سمجھتے (باقی)

ضروری اطلاع

اخبار "بدر" بفضلہ تعالیٰ ہر ماہ کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸ کو شائع ہوتا ہے اور مقررہ تاریخوں پر تمام خریداروں کی خدمت میں روانہ کر دیا جاتا ہے اسلئے تمام احباب اپنی اپنی جگہ پر اندازہ کر کے دیکھ لیں اور اگر ہفتہ عشرہ تک ان کو اخبار نہ ملے تو پہلے اپنے ڈاکخانہ سے پتہ کر دائیں اور فوراً دفتر ہذا کو لکھیں تاکہ مناسب کارروائی کی جائے۔ (مینیجر بدر)

ہفت روزہ بدر قادیان ۲۱ نومبر ۱۹۵۲ء

ہندوستان بھر میں مظلوم زبان

ہندوستان میں تقریباً ۲۲۵ علاقائی زبانیں رائج ہیں۔ اور ہندی کے علاوہ علاقائی زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد ۲۳ کروڑ بتائی جاتی ہے۔ ۲ کروڑ سے زیادہ کی مادری زبان تامل ہے۔ ۹۰ لاکھ کی مادری زبان ملیالم ہے۔ ایک کروڑ سے زیادہ کی زبان کنڑی ہے۔ اڑھائی کروڑ سے زیادہ کی زبان تلنگی ہے۔ ۲ کروڑ کی زبان مرہٹی ہے۔ ساڑھے تین کروڑ کی زبان بنگالی ہے۔ اسی طرح صرف اتر پردیش (یو۔پی) میں ہی ایک کروڑ کی زبان اردو ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ جب اردو کے سوا کسی اور زبان کے حامی یا اس کے بولنے والے اپنی زبان کی ترقی و ترویج کے لئے کوشش یا پراپیگنڈا کرتے ہیں تو ہندی زبان کے پرستار نہ تو اس کی کوشش کو فرقہ داری کے زہر سے مسموم قرار دیتے ہیں۔ اور نہ ہی اسکو قومی و ملکی روح کے منافی گردانتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب علاقائی زبانیں اپنی وسعت اور مشترکہ مفاد کے اعتبار سے کسی صورت میں بھی اردو زبان کے ہم پلہ نہیں۔ اور یہ اردو زبان ہی ہے۔ جو نہ صرف ملک کے ایک معتدبہ حصہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ سارے ملک کے طول و عرض میں کم و بیش سمجھی بھی جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ دستور ہند میں جن زبانوں کو ملک میں تسلیم کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک اردو بھی ہے۔ یہی وہ زبان ہے۔ جو ملک کی دو سب سے بڑی قوموں یعنی ہندو اور مسلمان کے اتحاد کی مضبوط کڑی اور دونوں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ بلکہ اسی زبان کے ذریعہ سے ہم اپنے ہمسایہ ملکوں پاکستان، افغانستان ایران، مشرق وسطی اور افریقہ کے بہت سے ممالک اور انڈونیشیا کے ساتھ اپنے روابط بڑھا اور مضبوط کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان سب ممالک میں اردو زبان کے ساتھ بہت حد تک لسانی اشتراک پایا جاتا ہے اور جو لوگ اس وقت اردو زبان کی دشمنی ایسی کوتاہ نظری اور تنگ نظری سے کر رہے ہیں۔ دراصل اپنے ملک کے بین الاقوامی مفاد کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

جُدائی کی تلخی!

تقسیم ملک کے نتیجہ میں جہاں اور کئی رنگ کی تکالیف اور مصائب کا سامنا اہالیان ملک کو ہوا وہاں اس تلخی سے بھی دوچار ہونا پڑا جو رشتہ داروں عزیزوں اور مقرب دوستوں کی جدائی کے رنگ میں لوگوں کے سامنے آئی مشرقی اور مغربی پنجاب کے مختلف علاقوں میں لوگ صدیوں سے اپنے شہروں اور گاؤں میں بود و باش اختیار کئے ہوئے تھے۔ جس کے نتیجہ میں ان کی زبان، تہذیب و تمدن اور عادات و اطوار میں ایک یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی۔ یہ تو ایک شہر، ایک گاؤں یا علاقہ میں رہنے والوں کا حال تھا قریبی رشتہ داروں میں تو ہر اعتبار سے بہت ہی زیادہ موانست اور تعلق پایا جاتا تھا۔ اور طبعی طور پر ہر عزیز و رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کا ہمدرد و غمگسار اور دست و بازو بنا ہوا تھا۔

لیکن جب تقسیم ملک کے بعد لاکھوں کی تعداد میں آبادی کا تبادلہ ہوا۔ اور لوگ ایک ملک سے اکھڑ کر دوسرے ملک میں پہنچے۔ تو ان کا سینکڑوں سالوں کا تعلق چند دنوں میں ہی ٹوٹ گیا۔ اگر زمینوں اور جائدادوں کی الاٹمنٹ کرتے وقت اس اصول کو مدنظر رکھا جاتا کہ ایک گاؤں کے لوگ اکٹھے ایک ہی گاؤں میں بٹھائے جاتے۔ اور قریبی رشتہ داروں کو بھی اس اصل کے ماتحت۔ ۔ ۔ حتی الوسع اکٹھا رکھا جاتا۔ تو جو بے چینی بے اطمینانی اب نظر آتی ہے یہ بہت حد تک کم ہو جاتی۔ لیکن جو طریق اختیار کیا گیا ہے اس کے مطابق ایک ایک شہر اور گاؤں میں بھانت بھانت کے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ جن کے عادات و اطوار اور رہن سہن کے طریق میں بہت بڑا فرق ہے۔ بلکہ بسا اوقات زبان میں بھی کافی حد تک اجنبیت اور غیریت پائی جاتی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کی عدم واقفیت کی وجہ سے ایک طرف تو پولیس کو تفتیش و تحقیق میں دقتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ پناہ گزین بھی اپنی اپنی جگہ آرام و سکون حاصل نہیں کر سکتے۔

رشتہ داروں اور عزیزوں کی جدائی کے نتیجہ میں جس قدر دقت اور تکلیف کا سامنا بچارے پناہ گزینوں کو ہو رہا ہے وہ تو بیان سے باہر ہے۔ زمینوں کی الاٹمنٹ میں رشتہ داروں کو اکٹھے رکھنے کا اصول بہت جگہوں پر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر باپ کو ضلع گورداسپور میں زمین الاٹ کی گئی ہے تو بیٹے کو انبالہ کے ضلع میں دور دراز پھینک دیا گیا ہے۔ اسی طرح بھائی بھائی سے جدا کر دیا گیا ہے اور بھتیجا چچا سے۔ اور بے شمار برادریاں پارہ پارہ ہو گئی ہیں۔

زمینداری۔ کاشتکاری کا پیشہ اس قسم کا ہے کہ اس میں جتنے ہاتھ اکٹھے ہوں اتنا ہی سہولت و آرام رہتا ہے۔ اور پھر شادی و غمی اور دوسری خاندانی ضروریات کے موقعہ پر رشتہ داروں اور عزیزوں کا اکٹھا ہونا ضروری امر ہے۔ لیکن جو جدائی اور تفریق مختلف رشتہ داروں اور عزیزوں میں محکمہ آبادکاری کے فیصلوں کے نتیجہ میں واقع ہو گئی ہے۔ وہ بہت ہی دقت اور پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے۔

اسلام نے دنیا کے ہر شعبہ میں کامل تعلیم دی ہے۔ چنانچہ رشتہ داروں اور عزیزوں کو جدا نہ کرنے کے بارہ میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات حدیثوں میں مرقوم ہیں۔ مثال کے طور پر چند حدیثیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یَقُوْلُ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ وَالِدَۃٍ وَوَلَدِھَا۔ فَرَّقَ اللّٰہُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اَحِبَّتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (الترمذی) یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ماں اور بیٹے کو جدا کرنے کا باعث بنا ہے۔ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے عزیزوں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔

(۲) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ وَھَبَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غُلَامَیْنِ اَخَوَیْنِ فَبِعْتُ اَحَدَھُمَا فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلے اللّٰہ علیہ وسلم مَا فَعَلَ غُلَامُكَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ رُدَّهٗ (الترمذی و ابن ماجہ)

یعنی حضرت علی رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو غلام جو آپس میں بھائی تھے عطا کئے۔ ان میں سے ایک میں نے فروخت کر دیا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کا ایک غلام کدھر گیا۔ میرے اطلاع دینے پر حضور نے فرمایا کہ جو غلام آپ نے فروخت کیا ہے وہ واپس لے لو تاکہ دونوں بھائی اکٹھے رہ سکیں۔

غلاموں کے متعلق جن کے اس وقت کے لحاظ سے کوئی خاص حقوق نہ تھے یہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جذبات اور تعلق کا جتنا احترام کیا ہے۔ آجکل آزاد شہریوں کے تعلق قرابت کو اتنا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔

(۳) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلے اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِہٖ وَبَیْنَ الْاَخِ وَبَیْنَ اَخِیْہِ (ابن ماجہ)

یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت بھیجی ہے جو باپ اور بیٹے میں جدائی ڈالے یا بھائی بھائی کو علیحدہ کرے۔ اگر اسلام کی مذکورہ بالا تعلیم کا خیال جائدادوں کی الاٹمنٹ کرتے وقت رکھا جاتا اور حتی الوسع رشتہ داروں اور عزیزوں کو اکٹھے ہونے کے لئے سہولت مہیا کی جاتی۔ تو آج پناہ گزینوں کی بے شمار مصیبتیں اور تکلیفیں رفع ہو جاتیں۔ اور ان کے ان زخموں پر ایک حد تک مرہم لگ جاتی جو انہوں نے ہجرت کے نتیجہ میں کھائے ہیں۔

رشتہ داروں اور عزیزوں کی جدائی کا ایک اور پہلو بھی ہے تقسیم ملک سے ہمارا برصغیر ہندوستان اور پاکستان دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔ دونوں حصوں میں علیحدہ علیحدہ آزاد حکومتیں قائم ہیں۔ اگرچہ موجودہ حالات میں یہ ممکن نہیں کہ دونوں ملکوں کے باشندوں کی شہریت ایک ہو جائے اور وہ ایک دوسرے ملک میں بلا پرمٹ یا پاسپورٹ آزادانہ آ جا سکیں۔ لیکن ان لمبے عرصہ بچھڑے ہوئے عزیزوں اور رشتہ داروں کی جدائی اور تکلیف کا خیال کرتے ہوئے کم از کم یہ تو ہو سکتا ہے کہ دونوں طرف کے باشندوں کو اپنے اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے پاسپورٹ اور ویزا کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ وہ اپنے اپنے ملک میں اطمینان اور تسلی سے رہ سکیں۔ کتنی مائیں ہیں جو اس بٹوارہ کے نتیجہ میں اپنے پیارے بیٹوں کے چہروں کو دیکھنے کیلئے ترس گئی ہیں اور کتنے باپ ہیں اور بھائی ہیں جو اپنے بیٹے اور بھائیوں اور بہنوں کی جدائی کی وجہ سے ہر وقت دکھ اور درد میں آہیں کھینچ رہے ہیں۔ ہماری حکومتوں کو چاہیئے کہ وہ پاسپورٹ اور ویزا دینے میں زیادہ سے زیادہ آرام اور سہولت کا خیال رکھیں۔

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی ملکی خدمات

از مکرم مولوی خورشید احمد صاحب متعلم جامعۃ المبشرین قادیان

(۲)

اس بیدار مغز فرشتہ سیرت شہنشاہ نے اپنی ساری عمر زہد و تقویٰ کے ساتھ بسر کی۔ تمام منہیات کو حرام جانتا تھا عیش و عشرت سے نفرت تھی۔ اپنے لئے کوئی دولت جمع نہیں کی۔ بلکہ جب اس محب وطن شہنشاہ کا انتقال ہوا۔ تو اس کے پاس چار روپے دو آنہ کلاہوں کی آمدنی اور تین سو پانچ روپے قرآن شریف کے نسخوں سے آمدنی تھی۔ اس کی وصیت کے مطابق کلاہوں کی قلیل رقم سے اس کا کفن دفن کیا گیا۔ اور قرآن شریف کی آمدنی غرباء میں تقسیم کر دی گئی۔ کیونکہ اس پارسا اور تقویٰ کی باریک راہوں پر چلنے والے نیک دل بادشاہ کا خیال تھا کہ کلاہوں کی معمولی قیمت ہوتی ہے۔ اسے غرباء اپنی نیک اور حلال کمائی سے خریدتے تھے۔ مگر قرآن شریف کے نسخے امیر لوگ بڑے لحاظ کے باعث معقول قیمت دے کر خرید لیتے ہیں۔ کیا عجب کہ امیروں کی آمدنی مشکوک ہو۔ اس لئے مشکوک آمدنی کو اس نے اپنی نیک ذات پر استعمال نہ کیا۔ ایسا بے لوث خدمت گذار۔ واقف زندگی شہنشاہ جو ملک کے خزانہ سے ایک پائی تک نہ لیتا تھا شاید ہندوستان کو دوبارہ حاصل نہ ہو سکے۔

اس اولوالعزم متقی شہنشاہ کے بابرکت زمانہ میں ہندوستان نے جو ترقی کی۔ وہ اس زمانہ کے لحاظ سے بے نظیر تھی۔ کوئی ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ جب تک ملک کی مالی حالت مضبوط نہ ہو جائے۔ اور رعایا خوشحال نہ ہو۔ آج کل تو حکومتیں ملک کی مضبوطی کے لئے نیا نیا ٹیکس لگاتی۔ اور نئے نئے ٹیکس جاری کرتی ہیں۔ مگر عالمگیر نے اپنی رعایا کی خوشحالی کے لئے ۸۰ قسم کے ٹیکس معاف کر دیئے۔ جیسے چنگی۔ مکان ٹیکس چراگاہ ٹیکس۔ محصول کشتی و گھاٹ۔ چھوٹے پیشوں کو ترقی دینے کے لئے مختلف اقسام کے ٹیکس مثلاً دھنیا۔ کپڑا چھاپنے والے اینٹ ساز۔ بندوق ساز۔ نئی جگہ کام کرنے والے لوگوں سے اور قصابوں وغیرہ سے دریائے گنگا اور دیگر تیرتھوں پر جانے کا ٹیکس دریا پر ہڈیاں لے جانے کا ٹیکس۔ کاشتکاروں سے ان کے ہمسایہ کے مر جانے یا چلے جانے پر ٹیکس۔ ان تمام ٹیکسوں کو گن کر مہتہ جیمنی جی بی۔ اے آریہ سماجی پرچارک لکھتے ہیں!! ان

تمام ٹیکسوں کو جن سے رعایا بوجھ سے لدی ہوئی تھی قطعی بند کر دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر طرح سے رعایا کی خوشحالی اور خوشنودی و آسودگی کا خواہشمند تھا۔" (اورنگ زیب کی زندگی کا روشن اور اصلی پہلو صفحہ ۱۸۸)

ان تمام ٹیکسوں کی مجموعی آمدنی مالگزاری کے برابر پہنچ جاتی تھی۔ لیکن باوجودیکہ بادشاہ نے رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے اس قسم کے ٹیکس موقوف کر دیئے تھے۔ پھر بھی اس کے حسن انتظام اور خدمت کے جذبہ نے مملکت کے خزانہ کو پہلے بادشاہوں کے زمانہ سے زیادہ بھرپور کر دیا تھا۔ عالمگیر نے اکبری قانون مال گذاری اور بندوبست اراضی کی ترمیم و اصلاح کر کے ایک جدید دستور العمل تیار کیا۔ جسے جادو ناتھ سرکار پروفیسر پٹنہ کالج نے مع اس کے انگریزی ترجمہ کے ایشیاٹک سوسائیٹی کلکتہ کے جرنل میں چھپایا ہے۔ اس کی رو سے اکبر شاہجہان اور اورنگ زیب کے وقت شاہی آمدنی کا میزانیہ مندرجہ ذیل ہے۔

اکبر (ایک کروڑ نوے لاکھ پونڈ)۔
شاہجہان (دو کروڑ ۲۷ لاکھ پچاس ہزار پونڈ)
اورنگ زیب (چار کروڑ پونڈ)

یہ اورنگ زیب کے جذبہ خدمت گذاری کا ایک نمونہ ہے۔ ورنہ اس کا ہر کام خدمت کے جذبہ سے ہی ہوتا تھا۔

ہمارا ملک ایک زراعتی ملک ہے۔ اس کی ترقی کا انحصار زیادہ تر کاشتکاروں کی فلاح و بہبود پر منحصر ہے۔ آج کی طرح اس زمانہ میں انہار کی کثرت نہ تھی۔ لیکن شہنشاہ ہمیشہ کاشتکاروں کی فلاح و بہبودی میں ہمہ تن مشغول رہتا تھا۔ وہ اصل معنوں میں کاشتکاروں کا مربی تھا۔ مہتہ جیمنی جی اپنی کتاب کے صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں "قحط سالی و خشک سالی میں غریبوں اور مساکین کو کثرت سے (مال) دیتا تھا۔ تاکہ وہ (رعایا) کسی طرح مشقت اور تکلیف سے تباہ نہ ہو جائیں۔ وہ اپنا گزارہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کرتا تھا۔ چنانچہ قرآن شریف کی کتابت اور ٹوپیاں سینے سے اس نے وجہ معاش نکال لی تھی۔ جیسا کہ اس کی وصیت سے ظاہر ہے۔" پھر صفحہ ۳۸ پر تحریر کرتے ہیں:-

"جہاں قحط پڑتا۔ فوراً اناج روانہ کرتا معاملہ معاف کر دیتا۔ کاشتکاروں کو خزانہ شاہی سے تقاوی دے کر کاشت کرواتا۔ تاکہ ملک میں غیر آبادی اور بد امنی نہ پھیلے"۔

کاشتکاروں کو جو ترقی اور خوشحالی اس کے زمانہ میں حاصل تھی۔ سچ بات تو یہ ہے۔ کہ وہ ترقی اور خوشحالی بزبان پنڈت مدن موہن مالوی اس ترقی یافتہ زمانہ میں انگریزوں کے وقت میں بھی حاصل نہیں ہوئی۔ پنڈت جی نے ۱۸۹۶ء میں کانگرس کے جلسہ میں تنقید کرنیوالوں کو ہندوستان کے خستہ حالت لوگوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا:" اگر آپ لوگوں کو خداتعالےٰ پر یقین ہے۔ تو آپ لوگوں کو کسانوں اور مزدوروں کا خون چوسنے کے متعلق اس کے دربار میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ آپ ذرا گاؤں کی طرف دھیان دیں۔ غدر سے پہلے ان کی کیا حالت تھی۔ اور اب کیا ہے؟ ہمارے کسانوں کو اپنی کمائی کے) فائدہ کا سولہواں حصہ بھی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ ایسے حالات میں کیا دیش کو خوشحال کہا جا سکتا ہے؟ (بھارت کے نرناتا صفحہ ۱۲")

ان محققین کی تحقیقات سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ خاندان مغلیہ کا روشن چراغ عالمگیر رعایا کا سچا خیرخواہ اور کسانوں کا سچا مربی تھا۔ اس نے نہ صرف زراعت کو ترقی دی۔ بلکہ صنعت و حرفت۔ تجارت اور دیگر پیشوں کو اتنی ترقی دی۔ کہ ہندوستان اپنی وسعت اور مال و زر کی فراوانی کے باعث دیگر ممالک سے ممتاز حیثیت حاصل کر گیا۔ چنانچہ ملک کی اس قابل رشک حالت کے متعلق ایک ہندو دوست لکھتے ہیں:-

" اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان ہر پہلو سے خوشحال اور آسودہ تھا۔ . . . اورنگ زیب کے زمانہ میں گولکنڈہ ہیرے کی منڈی تھی۔ نہ ایشیا کے لئے بلکہ دنیا بھر کے لئے۔ فولاد کا کام دمشق تک وہاں سے جاتا تھا۔ تلوار۔ نیزہ۔ چھرا۔ خنجر ہندوستان کے لئے تیار ہوا کرتا تھا۔ مچھلی۔ پٹم کے جولاہے اور وہاں کی بنی ہوئی چھینٹ تمام اشیاء میں شہرت رکھتی تھی۔ ایلورہ کا کارخانہ دری بننے کا جو بالکل مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ صدیوں تک مشہور رہا۔ گولکنڈہ کے ہرے بھرے کھیت۔ تالاب پھولوں سے بھرپور۔ اور حرفت کاری کی رونق۔ ہیرے اور سونے کی کانوں نے گولکنڈہ کا نام یورپ تک مشہور کر دیا تھا۔ ایسا ہی اورنگ زیب کے وقت جڑت کاری۔ صنعت کاری اور مکانات کی نقاشی نے بھی پورا فروغ حاصل کیا۔ ہندوستان کی رونق اور دولت دیکھ کر یورپ کے سیاح یہاں آ کر چکا چوند میں پڑ جاتے تھے یہاں کے زر و جواہر۔ لعل و ہیرے اور دیگر جگمگاہٹ پر وہ رشک کھاتے تھے۔ اور ہندوستان کی آسودہ حالی کے ایام دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ کوہ نور اور تخت طاؤس کی جگمگاہٹ اور مغلیہ دربار کے تزک و احتشام نے اٹلی و فرانس کے سیاحوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ اور ہندوستان میں رہائش اختیار کرنے اور یہاں کی دولت سے مالا مال ہونے کے لئے انگیختہ و تیار کر دیا۔ کسان لوگ بہت آسودہ حال تھے ان کے ساتھ نہایت نرمی سے سلوک کیا جاتا تھا۔ لوگوں کی شکایت پر ظالم حکام اور عمال افسروں کو علیحدہ کر دیا جاتا تھا (مال و منال۔ دولت و خوشحالی ہر ایک پہلو سے بڑھتی رہی اور لوگوں کی تمام شکایات توجہ اور حقیقی انصاف سے سماعت کی جاتیں۔ انصاف کرنے میں بادشاہ اور افسر محض شہادت پر ہی اکتفاء نہ کرتے بلکہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے اپنے اوپر تکلیف برداشت کر کے اپنے دل و دماغ اور جسم کے ذریعہ اصلیت کا پتہ لگا کر انصاف کو مدنظر رکھتے اور رعایت رشتہ داری یا کسی کی حسن خدمات عدالت کے وقت بالائے طاق رکھ دی جاتی تھیں"۔ (اورنگ زیب کی زندگی کا روشن اور اصلی روپ صفحہ ۶۲ و ۶۴)

بلاشبہ اس وقت کا ہندوستان سونے کی چڑیا تھا۔ ہیرے سونے کی منڈی تھا۔ اناج کی منڈی تھا۔ جہاں سے غلہ دوسروں کے لئے جاتا تھا۔ صنعت و حرفت کا مرکز تھا۔ اس کا ہاتھ سب پر تھا۔ ہندوستان نے اپنی رعایا کے لئے کبھی غلہ باہر کے ملکوں سے نہیں منگوایا تھا۔ بلکہ یہ دوسروں کو کھانے کو دیتا تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ جبکہ اس کا بے لوث خدمت گذار بادشاہ ہندوستان کی سرسبزی و شگفتگی اپنا نصب العین سمجھتا تھا۔ وہ اپنے بزرگوں کی طرح ملک کی دولت ملک کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کرتا تھا۔ اس کی حب الوطنی قابل تعریف ہے۔ اس منصف مزاج بادشاہ نے اپنے ملازموں میں سارجنٹ اور حوالدار کا فرق نہ رکھا تھا۔

اس موقعہ پر ایک ہندو دوست جناب سکھ سمپتن رائے صاحب بھنڈاری کی رائے کا تحقیقاتی اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

"جن مسلمانوں کا تیرہویں صدی سے انیسویں صدی تک ہندوستان پر قبضہ رہا

وہ پیدائش سے لے کر موت تک ہندوستانی تھے۔ وہ ہندوستان میں ہی پیدا ہوئے۔ ہندوستان میں مرے۔ ہندوستان میں دفن کئے گئے۔ جو روپیہ وہ مال گذاری میں وصول کرتے تھے۔ وہ ہندوستان میں خرچ ہوتا تھا۔ وہ بالعموم انہی لوگوں کو اپنے ہاں ملازم رکھتے تھے۔ جو ہندوستان میں رہنے کو راضی ہو جاتے تھے۔ ان کی ہندوؤں کے ساتھ کوئی پولیٹیکل عداوت نہ تھی۔ . . . . . آج ایک ہندوستانی اور انگریز کے درمیان جو فرق روا رکھا جاتا ہے۔ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں وہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان نہ تھا۔" (بھارت کا درشن بامین ص ۱۸۸/۱۹۲)

آج تہذیب و تمدن کے دعویدار روشنی کے زمانہ میں ایک ہندوستانی اور انگریز میں جو فرق روا رکھ رہے ہیں۔ اگر یہ اس زمانہ میں ہوتے تو کیا ممکن تھا کہ یہ دعویدار ایک ہندوستانی کا انسان ہونا بھی تسلیم کرتے؟۔ پھر جبکہ ہندوستان میں جو کہ ہماری ہی ملکیت ہے۔ اس میں ہم سے یہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ تو اُن کے ملک میں کس سلوک کی امید کی جا سکتی ہے۔

اہل وطن اپنی دوربین نگاہ سے دیکھیں۔ عزیزو! کوہِ نور۔ تختِ طاؤس بھارت ماتا کے پونزز یور تھے۔ مغل اعظم نے بھارت ماتا کے یہ انمول زیور مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ یا کسی دیگر اسلامی ملک کے بیت المال کو نہیں بھیجے۔ نہ ہی اس نے ان مشہور عالم موتیوں کو جن سے بھارت کا نام دور دور تک پھیل گیا تھا۔ اپنی ملکیت بنانے کا کبھی خیال کیا تھا۔ کیا آج کوئی بتا سکتا ہے۔ کہ بھارت ماتا کے سر کا تاج کوہِ نور اور اس کے پاؤں کی چوکی تختِ طاؤس کہاں ہیں؟ کاش مغل اعظم جیسے نیک فرزند ہمیشہ بھارت میں پیدا ہوتے رہیں۔ جو اس کی عصمت کو محفوظ رکھیں۔ اور اس کی کھوئی ہوئی عزت کو اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر بھی واپس لانے والے ہوں۔

کسی بھی ملک کی ترقی و تنزل کا انحصار اس کے قابل یا نالائق صاحبِ اختیار لوگوں پر منحصر ہے حضرت عالمگیر کے وقت میں ہندوستان کا عروج عالمگیر کی ذاتی قابلیت اور اس کے لائق عہدے داروں کی وجہ سے تھا۔ اورنگزیب کی حکومت زمانہ کے دستور کے مطابق اگرچہ شخصی حکومت تھی۔ مگر یہ شخصی ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر جمہوریت کا رنگ رکھتی تھی۔ اس کے عہد میں عہدوں کی تقسیم بلا تمیز مذہب و ملت ہوتی تھی۔ ہندو اور مسلمان دونوں کو ایک آنکھ سے دیکھا جاتا تھا۔ البتہ یہ بات ضرور تھی۔ کہ اورنگزیب عہدے سپرد کرنے میں قابلیت کو ترجیح دیتا تھا۔ جے سنگھ۔ جسونت سنگھ اس کی فوج کے کمانڈر انچیف تھے بہت سے ہندو سردار یک ہزاری سہ ہزاری اور ہفت ہزاری تک کے منصبوں پر فائز تھے۔ فوجی ملازمتوں میں کثرت سے ہندو تھے۔ اسی طرح سول لائن میں بھی برابر کے ہندو عہدہ دار تھے۔ ملازمت میں قوم یا مذہب کو بنیاد نہیں مانا جاتا تھا۔ بلکہ قابلیت بنیاد تھی۔ قابلیت ہی ملک کی ترقی کے لئے مفید ہوتی ہے۔ جس ملک کا سیاسی سپوت اس نکتہ کو مدنظر رکھتا ہے۔ وہ ملک کبھی بھی ترقی کی شاہراہ سے نیچے نہیں گرتا۔ مسلم بادشاہوں کے عہدِ حکومت کی ملازمتوں کے بارے جناب سر سی۔ پی رائے (بنگالی) ایک تقریر میں فرماتے ہیں:۔

"مسلم سلاطین ہند کے بڑے بڑے جرنیل اور وزیر ہندو رہے ہیں۔ . . . ہندوستان میں انگریزی حکومت کو ڈیڑھ صدی بھی نہیں گزرنے پائی تھی۔ کہ ہم میں فرطِ محبت سے ایک دیوانگی سی آ گئی۔ صرف اس لئے کہ ایک لارڈ سنہا کو ہندوستانی صوبہ کی گدی پر بٹھا دی گئی۔ جسونت سنگھ۔ جے سنگھ جیسے کتنے سنہا کہیں زیادہ بلند اور عظیم الشان عہدوں پر مامور کئے گئے تھے۔ مذہبی رواداری جو دور اندیشی اور فیاضی پر مبنی ہوتی ہے۔ شاہانِ مغلیہ کا طریق تھا۔ نہ کوئی استثناء، اورنگزیب کی تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہیں۔ لیکن اس کے عہدِ حکومت میں بقول الفنسٹن ایسا کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ کسی نے ہندو دھرم کی خاطر سزائے جان و مال یا قید برداشت کی ہو۔ یا کسی شخص سے اس کی آبائی پرستش پر باز پرس لی گئی ہو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس "متعصب" شہنشاہ کے سب سے بڑے معتمد جرنل جسونت سنگھ اور جے سنگھ تھے۔" (اخبار نجات بجنور ۱۵ فروری ۱۹۲۳ء)

پھر یہی صاحب اپنے ایک مضمون میں جو ماڈرن ریویو کلکتہ میں شائع ہو چکا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

" اورنگزیب کے عہد میں ہندوؤں کو بہت ذمہ دار عہدے ملے تھے۔ . . . ملکی نظم و نسق کے متعلق تمام ملازمتیں ہندوؤں سے مخصوص تھیں۔ . . . دہلی میں بھی صیغہ مال گذاری کا صدر ایک ہندو ہی تھا۔ . . . . . جب جعفر خان وزیر مقرر کیا گیا۔ اس نے بنگال میں تمام ملازمتیں ہندوؤں کے سپرد کر دی تھیں) وہ شاہجہان کے بیٹوں کی خانہ جنگی کے ایام میں اس منصب پر بحال رہا۔ تو صیغہ مالگذاری کا نظم و نسق قدیم و تجربہ کار معاون دیوان رگھوناتھ کھتری الملقب بہ رائے داہیان کے ہاتھ سے انجام پاتا رہا۔ جب اورنگزیب تخت نشین ہوا۔ تو اس نے دیوانی کا یہ عارضی نظام قائم رکھا۔ اور رگھوناتھ کو راجہ کا خطاب دیا۔

(ہسٹری آف اورنگزیب از سر جدوناتھ سرکار جلد ۳ ص ۹۶)

سر سی۔ پی رائے صاحب کی تحقیق کی رُو سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ عالمگیر کے زمانہ میں مذہبی جنون اور تعصب کی بجائے یہ تھی۔ بلکہ ہمیشہ ملک کی بہتری کے لئے قابلیت کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔ لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ مذہب کے ٹھیکیدار ہر زمانہ میں ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ وہ مذہب کے نام پر شورش برپا کرتے ہیں۔ ریشہ دوانیاں کر کے حق کو باطل سے ملانا چاہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں ان ٹھیکیداروں کا کام بادشاہ وقت کو قابو کر کے من مانی منوا لینا ہوتا تھا۔ آج جبکہ جمہوری طرزِ حکومت ہے۔ ان کا کام پہلے سے آسان ہو گیا ہے۔ اب یہ عوام الناس کو اپنے پھندے میں پھنسا لیتے ہیں۔ اور شورش برپا کرواتے ہیں۔ اپنے ہم مذہب کو ترجیح دینا۔ اور اپنے عقیدہ سے ذرہ سا اختلاف رکھنے والے کو عہدہ سے برخواست کروانا ان ٹھیکیداروں کا پرانا دستور چلا آ رہا ہے۔ اگر ان کو کسی خدائی اختیار میں تصرف حاصل ہوتا۔ تو غالباً یہ اب تک خدا تعالیٰ کو بھی خدائی کے عہدہ سے برخواست کروا چکے ہوتے۔

اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ میں بھی ہندوؤں کو حکومت کی کلیدی آسامیوں پر فائز دیکھ کر اس مجنون گروہ کے کسی آدمی نے عالمگیر کو لکھا۔ جس کا ذکر ڈبلیو آرنلڈ بی۔ اے نے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:۔

اورنگزیب کے قوانین اور مراسلات کا ایک قلمی نسخہ جو ابھی طبع نہیں ہوا۔ اس میں مذہبی آزادی کا وہ جامع اور مانع اصول درج ہے۔ جو ہر ایک بادشاہ کو غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔ . . . عالمگیر کو کسی شخص نے عرضی دی۔ کہ دو پارسی ملازموں کو جو کہ تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر ہے۔ اس ملت میں برخواست کر دیا جائے۔ (یعنی صرف اس لئے کہ وہ مسلمان نہیں اور نہ ہی آنحضرت کو نعوذ باللہ خاتم النبیین مانتے ہیں) کیونکہ قرآن شریف میں آتا ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء" عالمگیر نے عرضی پر حکم لکھا مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں۔ اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے"۔ اور اس قول کی تائید میں یہ آیت نقل کی لکم دینکم و لی دین۔ بادشاہ نے لکھا۔ کہ جو آیت عرضی نویس نے لکھی ہے۔ اگر یہی سلطنت کا دستور العمل ہوتا۔ تو ہم کو چاہیئے تھا کہ اس ملک کے سب راجاؤں اور ان کی رعیت کو غارت کر دیتے۔ مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ بادشاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی قابلیت کے موافق ملیں گی۔ اور کسی لحاظ سے نہیں مل سکتیں۔

عالمگیر کا یہ فرمان کہ "ان معاملات میں تعصب کو جگہ نہیں مل سکتی۔ اگرچہ اڑھائی سو سال کا پرانا ہے مگر کتنے ہیں جو آج اس روشنی کے زمانہ میں اس پر عمل کرتے ہیں۔

تکلفات دور کر کے بچت کو تعمیری کاموں میں صرف کرنا

حضرت عالمگیر نے ملکی ترقی کے لئے اپنی خداداد ذہانت و قابلیت سے بہت سے ایسے طریق ایجاد کئے۔ جن کی وجہ سے ملک کی مالی۔ اقتصادی۔ اور اخلاقی حالت پہلے سے بدرجہا بہتر ہو گئی۔ بادشاہ سلامت اپنے آپ کو عام آدمیوں کی طرح ایک انسان خیال کرتے تھے۔ وہ خوشامد کو پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن مغلیہ دربار میں پرانے دستور کے مطابق گویئے اور شاعر مقرر ہوا کرتے تھے۔ جو خوشامدانہ رنگ میں بادشاہ کو مدح سرائی میں خدا تعالیٰ کا ہمسر بنا دیتے تھے۔ ان کا ایک نگران ہوتا تھا۔ جو ملک الشعراء کہلاتا تھا۔ ان لوگوں کو شاہی خزانہ سے بڑی بڑی تنخواہیں ملتی تھیں شہنشاہ اورنگزیب نے یہ صیغہ سرے سے ہی بند کر دیا۔ (خافی خان) اس طرح ملک کی جو دولت فضولیات میں صرف ہو رہی تھی۔ ملکی اور تعمیری کاموں میں صرف ہونے لگی۔ شاعروں۔ مغنیوں اور گویوں نے ایک مصنوعی جنازہ نکالا۔ عالمگیر نے دیکھ کر فرمایا۔ ہاں مگر اسے ایسا دفن کرنا۔ کہ پھر نہ اُٹھ سکے"۔

اسی طرح نوروز کے جشن میں امراء بادشاہ کی خدمت میں بڑی بڑی بیش قیمت نذریں پیش کرتے تھے۔ ان نذروں کی مجموعی تعداد کروڑوں سے بڑھ جاتی تھی۔ اور بعض امراء کی نذریں ان کی تنخواہوں کے برابر پہنچ جاتی تھیں۔

(باقی صفحہ نمبر ۱۲ پر ملاحظہ ہو)

بھارت کے مسلمانوں کو ایک دھرم اُپدیش

از جناب سید ارشاد علی صاحب لکھنؤ

دہلی کے مشہور ہندی اخبار "ویر ارجن" میں ایک ہندو وکیل درگا شنکر صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں وکیل صاحب نے بھارت کے مسلمانوں کے متعلق بعنوان بالا ایک آخری حکم صادر فرمایا ہے۔ درگا شنکر صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"بھارت میں چار کروڑ مسلمان آباد ہیں ان میں مشکل سے دس یا بارہ لاکھ پٹھان سید اور مغل ہوں گے باقی سب مقامی لوگ ہیں۔ تقریباً دو سو سال پہلے یہ سب ہندو تھے۔ اورنگ زیب نے "مسلمان بنو ورنہ جزیہ دو" اختیار کر لیں۔ تو بھارت سے سارے فرقہ وارانہ اختلافات ختم ہو جائیں۔ اور یہی وہ طریق ہے۔ جس پر عمل کر کے وہ اپنے قدیم تمدن اور روایات کو برقرار رکھ سکیں گے۔ ہندو مذہب قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کی "بے روزگاری ختم ہو جائے گی۔ اور وہ دلجمعی سے تجارت کر سکیں گے۔" "اس وقت اُن کے لئے بہترین راستہ یہی ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں اور ہندو مذہب قبول کر لیں"۔

کا نعرہ لگا کر ان کو مسلمان بنا لیا اور بھارت کے مسلمان ہندو مذہب

ناظرین اس جبر آلود اپدیش کا ایک ایک لفظ محض انسانیت کے احترام کے لئے ذرا غور سے پڑھیں "آہنسا سروپ شری" وکیل صاحب نے بھارت میں مسلمانوں کی بدحالی کا جن ڈراونے الفاظ اور بھیانک طریق پر ذکر کر کے تحریری نوٹس صادر فرمایا ہے۔ اُس سے غریب مسلمانوں کے دل و دماغ اور مذہبی احساس کو جو صدمہ پہنچا ہے۔ اُس کا تو ذکر ہی کیا ہے رونا یہ ہے کہ بھارت کی جمہوریت پر وکیل صاحب نے جو بہت گہرا اور دشمنِ وطن حملہ کیا ہے۔ اُسے اگر وکیل صاحب اپنی عقل اور سمجھ کی وجہ سے نہ سمجھ سکیں تو کیا ساری آزاد دنیا بھی مسلمانوں کے اس بد انجام نوٹس سے بے خبر رہ سکتی ہے وکیل صاحب نے اپنے خیال میں ہندو دھرم کی جو سب سے بڑی خوبی بیان فرمائی ہے۔ وہ اُنہیں کے الفاظ میں یہ ہے کہ "اگر مسلمان ہندو دھرم قبول کر لیں تو ان کی بے روزگاری ختم ہو جائے گی اور وہ دلجمعی سے تجارت کر سکیں گے"۔

افسوس کہ اس قسم کے غیر ذمہ دار افراد مذہب سے قطعی نابلد لوگ مذہب تو مذہب۔ جمہوریت کے بھی اندرونی دشمن ہیں۔ اور جمہوریت کے خلاف بھی بلاوجہ غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں۔ وکیل صاحب ذرا انصاف سے ذرا غور تو فرمایئے۔ کیا آپ کے نزدیک واقعی ہندو دھرم کی خفیہ تعریف یہی ہے۔ کہ وہ اپنے دھرم کے خلاف لوگوں کو یہ دشمن انسانیت دھمکی دیتا ہے۔ کہ اگر تم نے ہندو دھرم قبول نہ کیا تو تمہارا معاشی بائیکاٹ کر کے تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ وکیل صاحب! مذہب تو ایک روحانی چیز ہے۔ کوئی شخص کسی کے معاشی جبر کی وجہ سے یا تجارتی مفاد کے لئے اگر ہندو ہو بھی جائے تو اس میں ہندو دھرم کا روحانی کمال کیا ہے۔ اور اس سے ہندو دھرم کی فتح و فوقیت کیسے ثابت کیسے ہو جائے گی۔ آپ مسلمانوں کو ہندو دھرم کی دعوت دینے کے لئے اپنے مذہب کی کوئی ایسی روحانی خوبی بیان کرتے جو خدا تعالےٰ کی صفت وحدانیت کے متعلق ایک مذہبی اور عقلی دلیل ہوتی۔ اور صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں۔ بلکہ ساری دنیا کے عقلمند لوگوں کے لئے غور کرنے کے قابل ہوتی۔ اصل میں ہندو دھرم کی بڑی خدمت بھی یہی تھی۔ لیکن یہ بات آپ کے بس کی نہ تھی۔ مذہب کی اشاعت ظلم و جبر سے کرنا اس کا انسان کی روح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے سختی اور استبداد سے تو صرف جسم پر قبضہ ہو سکتا ہے۔ انسان کی روح پر ڈنڈے سے قبضہ نہیں ہو سکتا۔ وکیل صاحب! غور سے سنیئے۔ اسلام ایک پاک اور فطرتی مذہب ہے۔ ہمارے دین اسلام نے خدا تعالےٰ کی توحید و تقدیس پر جو دلائل اور بینات بیان فرمائے ہیں۔ عقلی طور پر اُنہیں صرف مسلمانوں نے ہی نہیں اپنایا بلکہ ساری دنیا اور بالخصوص ہندو دانشوں نے علی الاعلان یہ اقرار کیا ہے کہ "انسانیت کی لاج اسلام نے رکھ لی"۔ انسانیت کی سب سے بڑی توہین بت پرستی کے عقیدے سے ہوئی ہے۔ اسلام نے خدا تعالےٰ کی کامل توحید پیش کر کے ساری دنیا کے انسانوں پر ایک اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ جسے انسانی فطرت فراموش نہیں کر سکتی۔ اسلام کی اس بے نظیر فضیلت کا اقرار ہندو سماج کے ایسے بلند پایہ مہا پرشوں نے کیا ہے۔ جو بلا مبالغہ ہندو آسمانِ عقیدت کے چاند و سورج ہیں۔ ان ہزاروں عظیم الشان بیانات میں سے بس اس وقت صرف ایک چند حرفی رائے کا بہت ہی مختصر طور پر ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ بھارت کی مایۂ ناز دیوی محترمہ جنابہ سروجنی نیڈو صاحبہ (سابق گورنر یو۔پی) ووکنگ لنڈن میں عیسائی پبلک کے سامنے لیکچر دیتے ہوئی فرماتی ہیں:-

"اُس پاک انسان نے اپنے آپ کو معبود اور پرستش کا محل قرار نہیں دیا اس کو انسان کی طاقت اور کمزوریوں کا پورا علم تھا۔ وہ خود بھی انسان تھا۔ اور انسانیت کی حدود سے بالا تر حیثیت کے رکھنے کا دعویٰ اُس نے کبھی نہیں کیا۔ اُس زبردست اور نہ مٹنے والی صداقت کا اس پر انکشاف ہوا جو رب العالمین وہ پاکیزہ الفاظ ہیں مضمر ہے یعنی اُس خدا کو اس نے پیش کیا جو تمام اقوام اور تمام ممالک اور تمام مذاہب کا ایک ہی خدا ہے۔ اور یہ وہ عظیم الشان صداقت ہے۔ جس کے پورے مفہوم سے دنیا کو مستفید کرنے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اُسے اپنے اعمال کے ذریعہ سے اچھی طرح نمایاں کر کے دکھایا جائے۔ اور توحید الٰہی کے قائل کل نبی نوع کے سچے اور وفادار بن جائیں۔ یہاں اس سچی اور خالص جمہوریت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ جو اپنی اعلیٰ شان و شوکت کے لحاظ سے ہمارے زمانہ کی نام نہاد جمہوریتوں کی بے حقیقت اور قابلِ اعتراض اشکال سے کوسوں دور۔ اور بدرجہا اولیٰ تر ہے۔ یہ وہ رنگ ہے جس کو اعلیٰ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اس کو نہ آپ کا مذہب (عیسائیت) پیدا کر سکا اور نہ ہمارا مذہب ویدک دھرم جو تاریخ عالم میں بہت قدیم اور پرانا ہے۔ اس کی تخلیق کا موجب ہوا۔ بلکہ وہ محمد رسول اللہ (صلعم) کی پاک مساعی کا نتیجہ ہے۔" (اشاعت العلوم نومبر ۱۹۲۳ء)

جزیہ اور اورنگ زیب — وکیل صاحب نے حضرت اورنگ زیب پر اپنے خیال میں ایک بہت وزنی لیکن بہت بودا اور بے سر و پا یہ الزام لگایا ہے کہ اورنگ زیب نے "جزیہ دو" کا نعرہ لگا کر ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔ افسوس ہے کہ درگا شنکر صاحب نے حضرت اورنگ زیب کے متعلق "جزیہ" کا بے سمجھا بوجھا لفظ استعمال کر کے اپنی ہندو مہاسبھائی ذہنیت کے لوگوں کے قلوب میں مسلمانوں کی طرف سے جو قابل افسوس نفرت پیدا کرنی چاہی ہے۔ اس کی اصل حقیقت ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ مجھے بہت ہی قلبی دکھ ہے کہ اس قسم کے تخریبی مزاج کے لوگ ایک چھوٹی سے چھوٹی بات کو دنیا کے سامنے کیسے بھیانک رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ پیارے ناظرین! جزیہ ایک بہت ہی حقیر اور ناقابلِ بیان ٹیکس تھا۔ جو صرف ڈھائی آنے (۲/۱۰) سالانہ کے حساب سے حکومت کی طرف سے لیا جاتا تھا۔ اتنی ذلیل چیز کو دھرم سروپ وکیل صاحب نے ہندوؤں کے سامنے اس رنگ میں پیش کیا ہے۔ کہ شاید "جزیہ" کوئی خطرناک قسم کا ایٹم بم یا کوئی دنیا کو کھا جانے والی توپ یا کوئی خاص قسم کی زہر آلود تلوار تھی۔ جسے اورنگ زیب ہاتھ میں لے کر ہندوؤں سے یہ کہتا تھا۔ کہ بولو جزیہ دیتے ہو یا موت کے گھاٹ اترنا چاہتے ہو۔ پیارے ناظرین! یہ ہے جزیہ کی اصل حقیقت۔ اس ٹیکس سے کئی ہزار گنا زیادہ ٹیکس خود ہندو راجہ لیتے تھے۔ اور اب تو ٹیکسوں کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے لیکن ان سلطنتوں کے راجا اور بادشاہوں کو ظالم اور خونخوار اورنگ زیب نہیں کہا جاتا یہ راز میری سمجھ میں نہیں آیا۔ افسوس کہ اس طفلانہ اعتراض میں حق و صداقت کا کھلا ہوا خون کرتے ہوئے۔ بھارت کے اُن کروڑوں شریف ہندوؤں کی بھی کس بری طرح توہین کی گئی ہے۔ جنہوں نے حق قبول کرنے کے لئے انسانیت کی ایک بڑی خدمت انجام دی ہے۔

وکیل صاحب سچ بتایئے۔ کیا بھارت کے وہ قدیم ہندو آپ کے خیال میں اتنے کمینے اور ذلیل لوگ تھے۔ جنہوں نے صرف ۲/۱۰ سالانہ بچانے کے لئے اپنا پیارا دھرم بیچ ڈالا۔ کیا یہ سرتا پا غلط بات کسی صاحب انصاف اور شریف آدمی کی سمجھ میں آسکتی ہے

اورنگ زیب — حضرت اورنگ زیب کے متعلق "ویر ارجن" کے وکیل صاحب جیسے ودوانوں نے علم و گیان کا خون کرتے ہوئے جو بے حقیقت اور من گھڑت مظالم کی داستانیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی

تردید میں اب میں ہندوستان کی ایسی مایۂ ناز ہستیوں کے اقوال بطریق اقتباس نقل کرتا ہوں۔ جو واقعی ہندو قوم کی آنکھوں کے تارے ہیں۔ اور جن کی مذہبی قابلیت کے سامنے وکیل صاحب کی ایک طفل مکتب کی حیثیت ہے۔

مہنتہ جیمنی جی بی۔اے آریہ سماج کے بہت بڑے مشہور پرچارک

مہنتہ جیمنی جی اپنی کتاب" اورنگ زیب کی زندگی کا روشن اور اصلی پہلو" کے ص۲۷ پر لکھتے ہیں:-

"وہ بڑا با انصاف تھا۔ عدالت کرتے وقت کسی کی رعایت نہ کرتا تھا سلطنت میں مذہبی تعصب سے بری تھا۔ غرضیکہ اس کی زندگی ایک حیرت انگیز نمونہ تھی۔ وہ ہر طرح سے ہی رعایا کی بہبودی اور خوشحالی چاہتا تھا۔ اور رعایا کو امانت الٰہی سمجھتا تھا"

اسی طرح مہنتہ جی موصوف اپنی کتاب کے ص۴۹ میں حضرت اورنگ زیب کے کہتے ہیں:-

"وہ پورا انصاف کرتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ رعایا خدا کی طرف سے اُس کے پاس امانت ہے۔ وہ رعایا کی تکالیف کا جوابدہ ہوگا۔ اور خدا کے نزدیک ایسے مظالم کے لئے معاف نہیں کیا جائے گا"

پھر اپنی کتاب کے ص۵۲-۵۴ میں لکھتے ہیں کہ:-

"اُس نے تمام ٹیکس جن کے بوجھ سے رعایا لدی ہوئی تھی قطعی بند کر دیئے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ وہ ہر طرح سے رعایا کی خوشحالی آسودگی کا خواہشمند تھا۔" اگر اُس نے ایک جزیہ ہندوؤں پر لگایا تو بمقابلہ اُن بیہودہ اور نذرانوں اور کئی قسم کے ٹیکسوں کے جو رعایا پر لگائے جاتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں یعنی جزیہ لگانا ہیچ تھا" (عالمگیر) ہرگز ہندوؤں کے دل دکھانا نہیں چاہتا تھا اور نہ وہ ہندوؤں کا دشمن تھا"

ہندو مورخین اور ہندو لیڈروں کی اس قسم کی سینکڑوں آراء میں حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ کے متعلق پیش کر سکتا ہوں جس میں حضرت اورنگ زیب پر جزیہ کے اتہام کی بڑے زوردار الفاظ میں تردید کی گئی ہے

وکیل صاحب! آپ ودوان پرشس ہیں۔ سچ کہیئے۔ اب خود آپ کے نزدیک آپ کے اس اعتراض کی کیا وقعت ہے کہ اورنگ زیب نے نعرہ لگایا کہ جزیہ دو ورنہ مسلمان ہو"۔ حضرت اورنگ زیب کی روحانی تعلیم کے مقابلہ میں آپ ذرا اپنے پوتر اعلان کو پڑھیئے۔ کہ" اگر مسلمان ہندو ہو جائیں تو دلجمعی سے تجارت وغیرہ کر سکیں گے"۔ ورنہ اپنا انجام سوچ لیں۔ یہ ہے ہندو دھرم کی "آہنسا" کی تعلیم کا نچوڑ۔ جسے درگا شنکر صاحب نے نادان دوست کی طرح سمجھا۔ اور اب آپ اپنے اس ایشوری گیان کو اورنگ زیب کی نعوذ باللہ" ظالمانہ" تعلیم کے مقابلے میں پیش فرما رہے ہیں۔ خدا رحم کرے۔ سچ ہے ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ہندو مسلمان کیوں ہوئے

وکیل صاحب کے وہم اور بودے اعتراض کی حقیقت تو ناظرین نے ملاحظہ ہی فرما لی۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ ہندو مسلمان کیوں ہوئے۔ دیکھیئے ہندوستان کا بہت کٹر اور آریہ سماجی اخبار" پرتاپ" ۱۱ر نومبر ۱۹۲۸ء میں لکھتا ہے:- "شمال مغرب کی طرف سے اسلام کا حملہ ہوا۔ ہندو لوگ ذات پات اور اونچ نیچ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹے پڑے تھے۔ ان کو ایکتا میں باندھنے والا ایک بھی سوتر اور تاگا نہ تھا۔ پس وہ اس حملہ کی تاب نہ لا سکے"۔ اسلام ان کروڑوں اچھوتوں کے لئے رحمت ربانی تھا"۔ وہ اُن کو انسانی مساوات کا حق دیتا تھا پس یہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے" داعیانِ اسلام جب انہی کالیہ میں پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو وہاں کے اصلی باشندے جو ہندوؤں کے مذہب سے قریباً خارج سمجھے جاتے تھے۔ اور اپنے آرین سرداروں کے ہاتھوں طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اٹھاتے تھے مسلمانوں کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بڑھے۔ ان لوگوں کے نزدیک جن میں مفلس مچھلی پکڑنے والے اور دستکاری اور ادنیٰ اقوام کے کاشتکار تھے۔" اسلام ایک اوتار تھا، وہ حکمران قوم کا مذہب تھا جس کے پھیلانے والے وہ باخدا لوگ تھے۔ جو توحید اور سب انسانوں کے برابر ہونے کا مژدہ ایسی قوم کے پاس لائے تھے۔ جن کو سب لوگ ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے"۔

اسی طرح سر چھوٹو رام نے پنجاب کونسل میں تقریر کرتے ہوئے ۱۹۳۲ء میں فرمایا تھا "دنیا بھر کے مذاہب میں اسلام ہی ایک مذہب ہے جو تمام انسانوں کو مساوات کا درجہ دیتا ہے اور مذہبی میدان میں کسی کو چھوٹا بڑا نہیں سمجھتا۔ اور اسلام نے اچھوتوں کے سوال پر بالواسطہ یا بلا واسطہ اثر کیا ہے"۔

کیا ناظرین کو ان چند آراء سے جو خود ہندو ودوانوں اور محققین کی اوپر درج کی گئی ہیں یہ واضح نہیں ہوا کہ درگا شنکر صاحب کا اعتراض کتنا بیہودہ اور غلط ہے اور ان کی یہ باتیں سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں رکھتیں کہ ملک میں فرقہ وارانہ مناقشت اور جھگڑے بڑھیں اور ہم تعمیری کاموں میں ترقی و سربلندی نہ حاصل کر سکیں۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس قسم کی نبوت کا دعوےٰ کیا؟

(ٹریکٹ)

(۱) حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانیوالا نہیں ہوں۔ اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کرکے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا"۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

(۲) نیز فرمایا:- "یہ ضرور یاد رکھو کہ اس امت کیلئے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائیگی جو پہلے نبی اور صدیق پا چکے پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیشگوئیاں ہیں جن کی رو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے۔ لیکن قرآن شریف بجز نبی بلکہ رسول ہونیکے دوسروں پر علوم غیب کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت فلا یظھر علیٰ غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول سے ظاہر ہے پس مصفیٰ غیب پانیکے لئے نبی ہونا ضروری ہوا اور آیت انعمت علیھم گواہی دیتی ہے کہ اس مصفیٰ غیب سے یہ امت محروم نہیں اور مصفیٰ غیب حسب منطوق آیت نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے اور وہ طریق براہ راست بند ہے۔ اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ اس موہبت کے لئے محض بروز اور ظلیت اور فنا فی الرسول کا دروازہ کھلا ہے"۔ (ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ)

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:- (واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم) "یہ آیت آخری زمانہ میں ایک نبی کے ظاہر ہونیکی نسبت ایک پیشگوئی ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے لوگوں کا نام اصحاب رسول اللہ رکھا جاوے۔ جو آنحضرت صلعم کے بعد پیدا ہونیوالے تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہونیوالے تھے۔ جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ آیت ممدوحہ بالا میں یہ تو نہیں فرمایا واٰخرین من الامۃ بلکہ یہ فرمایا واٰخرین منھم ہر ایک جانتا ہے کہ منھم کی ضمیر اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرف راجع ہے لہذا وہی فرقہ منھم میں داخل ہو سکتا ہے جس میں ایسا رسول موجود ہو کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بروز ہے"۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۷)

(۴) پھر فرمایا:- "وہ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناقل) خاتم الانبیاء ہیں مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اُن سے کوئی روحانی فیض نہیں ملیگا۔ بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے بجز اسکی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا اور اُسکی اُمت کیلئے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا اور بجز اسکے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں۔ ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کیلئے اُمتی ہونا لازمی ہے"۔ (حقیقۃ الوحی ص۲۷-۲۸)

(۵) حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے سب سے آخری خط مندرجہ اخبار عام مورخہ ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء میں فرماتے ہیں:-

"یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور جس کے یہ معنے ہیں کہ مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور متابعت سے باہر ہو جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے اور جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اسکے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہیں امور کی کثرت کیوجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں

مسئلہ ختم نبوّت اور احمدیّت

از مکرم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل

بدر مطبوعہ چودہ اکتوبر میں نگارکا مضمون گونہ اطمینان ہوا کہ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں جو ہر زیر بحث معاملہ کو انصاف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس میں ایک فقرہ ایسا ہے جس کی نسبت میں کچھ گذارش احوال واقعی کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ مقالہ نویس صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

مسلمانوں میں یہی ایک جماعت (احمدیہ) ہے جو ختم نبوت کی قائل نہیں۔

یہ احراری پروپیگنڈا کا اثر ہے۔ ورنہ جماعت احمدیہ سے بڑھ کر ختم نبوت کو جزو ایمان سمجھنے والا مسلمانوں کا کوئی بھی فرقہ نہیں ہے۔ اسی جماعت کا امام ہے۔ جو بیعت کے وقت اس بات کا اقرار لیتا ہے کہ میں سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتا ہوں۔ اور اسی جماعت کے بانی علیہ السلام کی تقریروں اور تحریروں سے ایک سو سے زائد حوالے دیئے جا سکتے ہیں۔ جن میں وہ اس عقیدہ کا اعلان فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ (سر نبوت را بروشد اختتام) چنانچہ آپ اپنی الوصیت ۱۹۰۵ء میں لکھتے ہیں:۔

”اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔“

ایسا ہی استفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی میں فرمایا کہ:۔

” والنبوۃ قد انقطعت بعد نبیّنا صلی اللہ علیہ وسلم“ وعلیہ انقطعت سلسلۃ المرسلین۔

نبوت ہمارے نبی حضرت محمدؐ کے بعد منقطع ہو چکی ہے۔

اپنی کتاب چشمۂ معرفت میں تحریر کیا ہے آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے۔ اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلا شبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔“ اور کشتی نوح میں جو جماعت احمدیہ کے تعلیم و عقائد کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ ارشاد ہے۔ تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔

یہ سب حوالے ۱۹۰۱ء کے بعد ہیں۔ کیونکہ غلط طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ ابتداء میں حضور ایسا ہی عقیدہ رکھتے اور سکھاتے تھے۔ مگر بعد میں بدل لیا۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا اصل دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا ہے۔ جیسا کہ اپنی تعلیمی کتاب کشتی نوح میں رقم فرمایا کہ جو مجھے مسیح موعود اور مہدی معہود نہیں مانتا وہ میری جماعت سے نہیں اور اس کی بنا اس بات پر ہے کہ قرآن مجید کی آیات کثیرہ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰ بن مریم علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں جیسا کہ خود ان کے اپنے اقرار سے ظاہر ہے۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم۔ توفی (باب تفعل جب کہ اللہ فاعل ہو اور انسان مفعول) کے معنے بجز قبض روح کے کچھ اور لسان عربی میں ہوتے ہی نہیں اور نہ اس کی کوئی مثال دی جا سکتی ہے۔ نیز اس آیت سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ آپ دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لائے۔ ورنہ بارگاہ ربّی میں یہ عرض نہ کرتے کہ توفی کے بعد پھر میری امت کا تو ہی نگہبان رہا مجھے ان کے بگڑنے یعنی (قائل تثلیث والوہیت مسیح) ہونے کا کچھ علم نہیں ادھر قرآن مجید کی آیات مثل لیستخلفنھم کما استخلف الذین من قبلھم وغیرہا بتاتی ہیں کہ سلسلہ خلفاء محمدیہ سلسلہ موسویہ کے خلفاء کی مثل ہے۔ اس کا اختتام بھی مسیح پر ہے جس کی تشریح و تصریح میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ ینزل فیکم و امامکم منکم بھی انہی میں سے ہے۔ جس نے ہمیں بتایا کہ آنے والا ابن مریم۔ منکم یعنی امت محمدیہ کا ایک فرد اور اس کا امام ہو گا۔ و بیانیہ اور حالیہ ہے۔ یہ مفہوم اس لئے بھی صحیح ہے کہ پہلے ابن مریم کی وفات قرآن مجید سے ثابت ہے اور انھم لا یرجعون یمسک التی قضی علیھا الموت کے مطابق جو مر گیا وہ واپس دنیا میں نہیں آ سکتا پس اگر اسی عیسیٰ بن مریم کے دوبارہ آ کر امت محمدیہ کی اصلاح کا عقیدہ رکھا جائے

تو اس میں نبوت محمدیہ کاملہ کی ہتک ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ حضرت خاتم النبیین کے روحانی فرزندوں سے کوئی ایسا نہ ہو سکا جو آپ کی امت کی اصلاح اور اشاعت و حفاظت اسلام اور اس کی فلاح و عمل میں لا سکتا ناچار ایک رسول الی بنی اسرائیل کو کئی ہزار برس یہود بے بہبود کے خوف سے آسمان پر بجسدہ العنصری بخلاف ماجعلنا لبشر من قبلک الخلد زندہ رکھ کر آخری زمانے میں بھیجنا پڑا۔ حالانکہ آیت خاتم النبیین کا نزول ہی اس الزام کی تردید میں ہوا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ابتر ہیں۔ ان کا کوئی فرزند نرینہ نہیں۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین یعنی محمدؐ تمہارے جسمانی مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں مگر وہ اللہ کا رسول ہے اور مزید برآں نبیوں کا باپ یعنی آپ کے روحانی فرزند ہزاروں ہیں۔ جو لوگ آخری زمانے میں کسی کامل و اکمل روحانی فرزند ”النبی“ کے قائل نہیں۔ وہ گویا نبوت محمدیہ کی قوت قدسیہ کی ہتک کے مرتکب ہیں کہ آپ کا جسمانی فرزند بھی کوئی نہیں اور روحانی بھی فرد اکمل کوئی نہیں۔ حالانکہ ہے یا کلبیٹا بنانے کی نفی فرمائی۔ اب یہ علماء زمانہ روحانی بیٹے کے بھی قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کی وراثت ایک بے پاک دوسری قوم و امت سے لینا پڑے گا۔ گویا دونوں صورتوں کی نفی اور ابتر ہونے کی تصدیق (نعوذ باللہ منہا) اور آیت قرآنی وماجعل ادعیاءکم ابناءکم کی تردید۔

اس گتھی کا حل ہمارے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ آنے والا پیشگوئی میں مذکور مسیح اسی امت محمدیہ کا ایک فرد کامل ہو گا جو ابن مریم اسرائیلی خلیفہ آخری امت موسویہ کی خو بو پر آئے گا اور اس کا مثیل ہو گا چونکہ زبان نبوت سے اس کے لئے نبی اللہ کا خطاب بھی صادر ہوا ہے (دیکھو صحیح مسلم) اس لئے آپ نے خاتم النبیین کے اعزاز پر نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آنے والا مسیح کثرت مکالمہ مخاطبہ و کثرت اظہار امور غیبیہ سے مشرف ہو گا۔ مطابق لم یبق من النبوۃ الا المبشرات پس آپ کی نبوت کا سوال ایک ضمنی بحث سے متعلق ہے جس کی نسبت۔ آپ نے اول سے لے کر آخر تک فرمایا کہ:۔

ماعنی اللہ من نبوتی الا کثرۃ المکالمۃ والمخاطبۃ ولعنۃ اللہ علی من اراد فوق ذالک (۱۹۰۶ء) یہ لعنت اللہ کا لفظ مد نظر رہے ارشاد ہے:۔

”صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے۔ جو آنحضرت کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ لفظی نزاع ہوئی“

مزید برآں ہم شریعت محمدیہ کو کامل مان کر اس پر عمل کر رہے ہیں۔ کوئی آیت منسوخ قرار نہیں دیتے۔ برخلاف اس کے ہمارے مخالف بعض آیات منسوخ قرار دیتے ہیں اور شریعت محمدیہ کے خلاف اپنا عمل عملدرآمد رکھتے ہیں۔ دیکھو خطبہ جمعہ مندرجہ آزاد اخبار احرار ۱۷ اکتوبر وغیر ذالک۔

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ ختم نبوت کا انکار ہمارا عقیدہ نہیں۔ بلکہ اس کا ارتکاب وہ فریق علماء کر رہا ہے جو ایک مستقل رسول اسرائیلی کو حضرت ختمی مرتبت کے بعد لا کر آپ کی مسند پر بٹھا رہے ہیں۔ جناب مفتی دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ ہو کہ مسیح بن مریم اللہ کا رسول تھا۔ اور اس کے منکر کافر۔ اب جو آپ آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو اللہ کے رسول ہوں گے۔ اس عہدہ سے معزول نہیں اور آپ کے منکر بدستور کافر قرار دیئے جائینگے۔ نواب صدیق حسن خاں نے بھی یہی لکھا ہے۔ پس جو کنونشن علماء اور سیاسی امراء کی ختم نبوت پر طلب کی جا رہی ہے اس میں سب سے پہلے ان لوگوں کو اپنی پوزیشن و عقیدت پر غور کرنا چاہیئے اور احمدیوں کو زیر الزام لانے اور غیر مسلم قرار دینے سے پہلے یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ کہ آپ لوگ جو خاتم النبیین کے بعد ایک رسول مستقل پر ایمان لانا اور اس کی نصرت فرمانا جزو اسلام سمجھتے ہیں۔ تو ختم نبوت کے منکر ٹھہرتے ہیں یا نہیں اور اس طرح پر آخری نبی کون ہوا۔ حضرت محمد مصطفےٰ یا موسوی امت کا خلیفہ عیسےٰ بن مریم۔ نیز یہ بھی کہ آخری زمانہ میں جو بگاڑ امت میں پیدا ہو رہا ہے۔ جس کا اعتراف آپ کو بھی ہے۔ اس کے لئے علماء کافی نہیں۔ بلکہ ایک نبی اللہ کے کمالات رکھنے والے کی ضرورت ہے۔ نیز آپ لوگ تمام اہل اسلام کا یہ متفقہ عقیدہ بتاتے ہیں۔ مسیح ابن مریم اللہ کا رسول آسمان سے نازل ہو گا اور اس کے منکر کافر ہوں گے۔ مگر کئی افراد جو ڈاکٹر اقبال کی اتباع میں مسیح کے دوبارہ نازل ہونے کے قائل نہیں بلکہ اسے مجوسی عقیدہ کہتے ہیں ان سے بھی نبٹ لیں کہ وہ مسلم ہیں یا نہیں اور پھر کثرت و اقلیت مسلم غیر مسلم کا فیصلہ کریں۔ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے جن کو یہ علماء و امراء غیر مسلم اقلیت قرار دینا چاہتے ہیں۔ ان کے نمائندوں کا بیان بھی سنیں۔ سننا گوارا نہ ہو تو سوالات مرتب کر کے جواب میں ان کی تحریری پڑھ لیں کہ جس عقیدہ کے قائل ان کو قرار دیا جا کر غیر مسلم کہہ رہے ہو وہ ان کا عقیدہ ہے بھی یا نہیں؟

(باقی صفحہ ۱۲ کالم نمبر ... پر ملاحظہ ہو)

ہندوستان کے احمدی احباب اور جماعتیں اور ہمارا تبلیغی فریضہ

ہندوستان میں تبلیغ انفرادی۔ اجتماعی و تبلیغ بذریعہ کتب و ٹریکٹس و خطوط کی اس وقت جتنی ضرورت ہے۔ شاید آج سے پہلے کبھی ضرورت داعی ہو۔ ہمارے پیارے آقا بھی بار بار اپنے پیغامات میں اس طرف متوجہ فرما رہے ہیں۔ جس کے لئے لاکھوں روپوں کی ضرورت ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے جس قدر ٹریکٹ و کتب مرکز قادیان سے جماعتی انتظام کے ماتحت شائع ہوتے تھے۔ ہمیں کم از کم اُسی قدر ورنہ اس سے کہیں زیادہ شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہر جماعت انفرادی طور پر اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ہی زور لگائے۔ تو بہت بڑا کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ اس وقت مرکز ہی بجٹ میں تو اتنا روپیہ نہیں۔ جس سے مختلف زبانوں میں مختلف علاقہ جات اور مختلف قوموں کے لئے لاکھوں کروڑوں ٹریکٹ شائع کیا جا سکے۔ جیسے کہ بارہا تجربہ میں یہ بات آئی ہے۔ کہ عوام الناس لمبے ٹریکٹ پڑھنے کے عادی نہیں الاماشاء اللہ اندریں حالات دو صفحات یا چار صفحات پر مشتمل ٹریکٹ ہی شائع کیا جا سکتا ہے۔ اور اس طرح ہم اپنی تبلیغ کو گھر بیٹھے وسیع کر کے سارے ہندوستان میں تبلیغ بذریعہ ٹریکٹ یا خطوط یا کتب انجام دے سکتے ہیں۔ ضرورت صرف احساس کی ہے کہ ہم بذات خود یہ سمجھیں کہ ہمیں نشر و اشاعت کا اس طرح کام کرنا ہے۔ جس طرح ہمارا فعال مرکز کیا کرتا تھا۔ ہمارے پیارے آقا نے ہمیں اس طرف بھی متوجہ فرمایا ہے۔ کہ اب ہر احمدی کو اپنے اندر کام کے اعتبار سے مرکزی کیفیت پیدا کرنی چاہیئے۔ کہ گویا اسی ہی نے اکیلے یہ کام سرانجام دینا ہے۔ تب ہم بہت بڑا کام انجام دے سکیں گے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے آقا کی دعاؤں کے طفیل ہمارے کمزور کندھوں کو اپنے فضل سے قوی فرمائے۔ اور اس فریضہ تبلیغ کو احسن طریق پر سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ تا خدا تعالےٰ کی پیاسی مخلوق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لائے ہوئے آب حیات سے سیراب ہو سکے۔ اور ہم اپنے فرض سے سبکدوشی حاصل کریں اور ہمارا یہ کام خدا کے حضور اتنا مقبول ہو کہ ہمارا یہ جسمانی بُعد جو ہمارے پیارے خلیفہ سے ہمیں خدا کی حکمت کی وجہ سے ہماری بدنصیبی سے ملا ہوا ہے اس طرح دور ہو کہ ہم سمجھ ہی نہ سکیں۔ کہ آخر ہم نے اتنا جلد ایسا کون سا کام انجام دے لیا ہے جس کی وجہ سے خدا نے ہمیں اتنا جلد نوازا تا ہمارا جسمانی بُعد بھی دور ہو اور پھر خوشی و مسرت و شادمانی کا وہ بھی دن نصیب ہو۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

ایک انتظام کے ماتحت ویسے تو مسلسل چھ سال سے خدا کے فضل سے اشاعت ٹریکٹ کی توفیق ہمیں ملی ہوئی ہے۔ لیکن صرف ماہ جنوری ۵۲ء کے بعد سے اس وقت تک شائع شدہ ٹریکٹ کی ایک فہرست دی جاری ہے تا احباب کرام جن کی ضرورت ہو وہ منگوالیں اور اپنی اپنی جگہ اپنے حالات کے مطابق اُن علاقوں کے تقاضہ کے ماتحت خود ٹریکٹ شائع کر سکیں

(۱) پیدائش عالم۔ مرتبہ مولوی محمد سلیم صاحب فاضل مبلغ سلسلہ ۴ صفحات تعداد ایک ہزار

(۲) ضرورت مذہب۔ مضمون حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب رض۔ ۴ صفحات تعداد ایک ہزار

(۳) شان خاتم النبیین صلعم۔ از ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ ۴ صفحات تعداد ایک ہزار

(۴) وفات مسیح (ٹریکٹ مرتبہ نظارت وغیرہ)۔ ۲ صفحات تعداد ایک ہزار

(۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان بزرگوں کے بارے میں جو امکان نبوت کے قائل ہیں (ٹریکٹ مرتبہ نظارت ربوہ) ۲ صفحات تعداد ایک ہزار۔

(۶) نبی۔ رسول۔ محدث میں کیا فرق ہے۔ مضمون حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے) ۴ صفحات تعداد ایک ہزار

(۷) گالیوں کا جھوٹا الزام۔ خادم گجراتی (مرحوم)۔ ۴ صفحات۔ تعداد ایک ہزار۔

(۸) حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے کس قسم کے نبوت کا دعوےٰ کیا۔ ۲ صفحات۔ تعداد ایک ہزار

(۹) اسلام اور بانیٔ اسلام غیر مذاہب کے مہا پرشوں کی نظر میں (ارشد صاحب لکھنوی منتخبہ بدر) ۲ صفحات تعداد ایک ہزار

(۱۰) اہل بہاء سے دس ضروری سوال (ابو العطاء صاحب جالندھری) بہائیوں کے لئے ۴ صفحات۔ تعداد ایک ہزار

(۱۱) ندائے آسمانی (ٹریکٹ مرتبہ ابو الضیاء صاحب) (مرحوم) ۸ صفحات۔ تعداد ایک ہزار

(۱۲) تکبر سے بچو۔ تعلیم و تربیت کے لئے از ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام (آرٹ پیپر پر) ۲ صفحات۔ تعداد ایک ہزار۔

(۱۳) خاتم النبیین کے بہترین معنی (ابو العطاء صاحب جالندھری) ۸ صفحات۔ تعداد ایک ہزار

(۱۴) پیغام احمدیت بزبان فارسی۔ ترجمہ پیغام احمدیت اردو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ (سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کی طرف سے) ۱۴ صفحات۔ تعداد ایک ہزار

(۱۵) کبر کے عذاب سے بچو
(۱۶) اس زمانہ کا مجدد
(۱۷) شرائط بیعت سلسلہ احمدیہ
} حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین کی طرف سے گجراتی۔ اردو انگریزی۔ تیس ہزار

(۱۸) Why I believe in Islam
میں اسلام کو کیوں کرتا ہوں
حضور کے بمبئی کے براڈکاسٹ لیکچر (انگریزی میں آرٹ پیپر پر۔ ۱۶ صفحات تعداد ایک ہزار

(۱۹) My faith۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا مضمون (میرا عقیدہ) انگریزی آرٹ پیپر پر (انجمن ترقی اسلام سکندر آباد کی طرف سے) ۱۶ صفحات۔ تعداد ایک ہزار۔

(۲۰) خدا کی قسم۔ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ ۲ صفحات۔ تعداد ایک ہزار

(۲۱) خاتم النبیین صلعم۔ از ملفوظات مسیح موعود علیہ السلام۔ مرتبہ مولوی امینی صاحب ۲۰ صفحات۔ تعداد ایک ہزار۔

(۲۲) خوش قسمت انسان۔ مرتبہ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ ۴ صفحات تعداد ایک ہزار

(۲۳) عقائد احمدیہ۔ مرتبہ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ ۲ صفحات۔ تعداد ایک ہزار

(۲۴) مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ۔ مرتبہ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ ۴ صفحات۔ تعداد ایک ہزار۔

(۲۵) ماہ محرم الحرام اور مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ۔ مرتبہ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ ۴ صفحات۔ تعداد ایک ہزار

(۲۶) وفات مسیح ناصری علیہ السلام۔ مرتبہ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ ۴ صفحات تعداد ایک ہزار۔

(۲۷) جماعت احمدیہ کا عقیدہ۔ مرتبہ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ ۴ صفحات۔ تعداد ایک ہزار۔

(۲۸) جماعت احمدیہ کی بین الاقوامی حیثیت مرتبہ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔

(۲۹) موعود اقوام عالم۔ مرتبہ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ ۴ صفحات تعداد ایک ہزار۔

(۳۰) پیشوایان مذاہب کا احترام۔ مرتبہ مولوی امینی صاحب۔ از ملفوظات امام ۲ صفحات تعداد ایک ہزار۔

(۳۱) ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صدق دل سے خاتم النبیین یقین کرتے ہیں۔ از ملفوظات حضرت اقدس (مرتبہ خود) ۴ صفحات تعداد ایک ہزار۔

(۳۲) ظہور مہدی علیہ السلام اور علماء کے کفر کے فتوے۔ مرتبہ مولوی امینی صاحب۔ ۴ صفحات۔ تعداد ایک ہزار۔

(۳۳) مذہب کسے کہتے ہیں اور کامل مذہب کی کیا علامات ہیں۔ (منتخبہ خود) ۴ صفحات تعداد ایک ہزار۔

(۳۴) پیشوایان مذاہب کا حقیقی احترام اور مذہبی رواداری کے بہترین اصول منتخبہ از بدر) ۴ صفحات۔ تعداد ایک ہزار۔

آخری پانچ ٹریکٹ مطبع میں طبع ہو رہے ہیں۔ باقی چھپ کر سارے ہندوستان میں جماعت کے مبلغین اور مختلف جماعتوں اور تبلیغ کے لئے

(باقی صفحہ ۱۲ کالم ۱ پر دیکھیے)

ہمارا جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۲ء

روحانی برکات کی بارش کا زمانہ

ہمارا جلسہ سالانہ کیا ہے۔ گویا روحانی برکات کی بارش کا موسم ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھانے والے اسی طرح فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جیسے عقلمند زمیندار موقعہ کی بارش سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

جلسہ پر آنے والے بزرگ حتی الوسع اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے جو ایک دفعہ آئیں وہ بار بار آتے رہنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے نہ آنے کا افسوس کرتے ہیں۔

ہمارے جلسہ کے فوائد بھی جو جماعت کو پہونچتے ہیں۔ وہ بارش کے فائدوں کی طرح اَن گنت ہیں۔ ان کا شمار نہیں ہو سکتا جس طرح بارش سے مخلوق کی زندگی وابستہ ہے اسی طرح جلسہ سالانہ کے وسیع فوائد کے ساتھ ہماری جماعتی زندگی کا بہت بڑا تعلق ہے وسیع روشناسی جماعت کے افراد میں جلسہ سالانہ پر ہی ہوتی ہے۔ پرانی ملاقاتیں تازہ اور مضبوط ہوتی ہیں۔ بہت سے نئے تعلقات اور نئے رشتے قائم ہوتے ہیں۔

اس روحانی برادری کی کثرت اور اخلاص کا نظارہ احمدی افراد کے حوصلے بڑھاتا ہے جس کی وجہ سے اخلاص میں ترقی کرنے کے لئے ان کے دلوں میں مسابقت کا ایک جوش موجزن ہو جاتا ہے۔

ہونہار نئی پود کی نشو ونما کو اس قسم کے قومی نظاروں سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔

پھر سب کا مل کر جماعتی طور پر مسجد مبارک بہشتی مقبرہ میں دعا کرنا ایک ایسا قلبی اثر پیدا کرتا ہے۔ کہ انسان آن کی آن میں کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ دنیاوی اثر اور طبیعت کے بیجا لگاؤ اور دل کے نامناسب رجحانات اور اس قسم کے ہزاروں قلب کے میل جلسہ کے نظاروں اور جلسہ کی پاک صحبتوں اور ملاقاتوں اور وعظ ونصیحت کے سننے اور دعاؤں میں شامل ہونے سے پاک ہو جاتے ہیں۔

مختلف حالات میں گذرنے سے جو ایمانی قبلہ نما کی سوئی کا رُخ کچھ بدلتا ہے۔ وہ جلسہ سالانہ پر ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اور یہ ایک ذریعہ ہے کہ ہر سال ہزاروں احمدی اپنی اصلاح کر کے دور دور ملک میں پھیل جاتے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی اصلاح کا موجب بنتے ہیں۔

اس طرح مرکز سے جاری ہونے والا فیض جلسہ میں شریک ہونے والے افراد تک محدود نہیں رہتا بلکہ کسی نہ کسی رنگ میں احمدی جماعت کے افراد میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہے

غرض جلسہ کے کثیر فوائد اور لاتعداد فیوض کا بیان کرنا آسان نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلسہ سالانہ کے ہر سال منعقد کرنے اور اس کے کامیاب بنانے میں سعی کرنے کے لئے تاکید فرمائی۔ (درمیں مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل یادگیر)

حسب دستور سابق امسال بھی ۲۶ر ۲۷ر۔ ۲۸ر دسمبر ۵۲ء کو قادیان میں جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہو رہا ہے۔ تمام ہندوستانی احباب کا فرض ہے۔ کہ اس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہونے کی کوشش کریں بالخصوص جبکہ حالات کی مجبوری کے باعث بیرون ہند کے احباب اپنے دائمی مرکز میں جمع ہونے سے قاصر ہیں۔ ہندوستانی احباب کو یہ نعمت حاصل ہے۔ پس اس سے فائدہ اُٹھانا سب کا فرض ہے

(ناظر دعوت وتبلیغ قادیان)

بقیہ صفحہ نمبر ۱۱:۔

منتخبہ افراد کی خدمت میں بھیجے جا چکے ہیں۔ ان ٹریکٹوں کے علاوہ ابھی بیس قسم کے ٹریکٹ زیر ترتیب ہیں۔ ان کی طباعت کے اخراجات زیادہ مقدار میں سیٹھ محمد معین الدین صاحب چنت کنٹہ سیٹھ محمد عبد الحی صاحب احمدی یادگیر وسیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحب سکندرآباد دکن نے و رشید احمد صاحب احمدی چنت کنٹہ واکبر حسین صاحب احمدی نے حسب حیثیت ادا کیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ تفصیلات سے اعراض کر کے اجمالاً کسی قدر نقشہ آپ کے سامنے دکن کی جماعتوں کے بعض افراد کی تبلیغی مساعی کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس احباب کرام سے ملتجی ہوں کہ وہ ان تمام مخریمین کے لئے اور عاجز کیلئے دعا فرماویں کہ اللہ ہمیں اپنی کامل رضا عطا فرمائے۔ آمین۔

خادم طالب دعا۔ محمد اسمٰعیل مولوی فاضل وکیل یادگیر دکن

شہنشاہ اورنگ زیب

بقیہ صفحہ نمبر ۷

اس طرح تصویر کا دوسرا رخ تصور میں لانے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ یہ امیر رشوت وغیرہ سے یہ روپیہ لیتے تھے۔ بادشاہ عالمگیر نے ۱۰۸۲ھ کو یہ طریقہ موقوف کر دیا۔ (مآثر عالمگیری ص ۱۶۲)

شاہی دربار میں بڑے بڑے تکلفات برتے جاتے تھے۔ وہ سب بند کر دیئے۔ حتی کہ چاندی کی دوات کی بجائے چینی کی دوات کا حکم دیا۔ زربفت کے خلعت موقوف کر دیئے۔ اسی طرح بہت ہوئی وہ قومی کاموں میں صرف ہونے لگی۔ ان ملکی اصلاحات سے آج بھی وہ برسراقتدار لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ جو الیکشن میں مقابلہ کرنے کے لئے ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اور پھر اس روپیہ اور رقوم کو حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی ناجائز کارروائیاں کرتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے بھی ہیں جو شدھ کھدر پہن کر گھر سے باہر اپنی سادگی اور کمی اخراجات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن گھروں میں لاکھوں روپیہ کا فرنیچر اور دوسرے سامان تعیش رکھنا جائز خیال کرتے ہیں۔

تعلیمی ترقی

عالمگیر خود صاحب علم اور علم دوست بادشاہ تھے۔ علم کو جو ترقی عالمگیر نے دی۔ اتنی ترقی اس سے پہلے وقتوں میں نہ تھی۔ مآثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ اس وسیع ملک کے ہر شہر قصبات دیہات میں علماء۔ فضلاء اور مدرسوں کے لئے وظائف مقرر کئے جن سے وہ مطمئن ہو کر تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔ تمام ملک میں سرائیں۔ کارواں سرا۔ مسافر خانے بنوائے اکثر اضلاع میں قحط کے انسداد کے لئے غلہ خانے بنوائے۔ جہاں سے قحط کے زمانہ میں غلہ غربا کو مفت غلہ تقسیم کیا جاتا تھا۔

خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو چیز باوجود مخلوق خدا کے لئے مفید اور کارآمد ہو۔ اس کی عمر میں برکت دی جاتی ہے۔ بھارت ویش پر حضرت اورنگ زیب کی خادمانہ رنگ میں پچاس برس کا طویل عرصہ رہی۔ اس کی حکومت مجسم رحمت اور خوشحالی تھی۔ وہ دنیا کے لئے نمونہ تھی تبھی خدا تعالیٰ نے اسکی عمر اور اس کے اقتدار میں برکت دی۔ اگر آج کے زمانہ میں جبکہ لوگوں کو روٹی تک میسر نہیں۔ کوئی بادشاہ پچاس برس تک حکومت کرے۔ تو لاکھوں روپیہ چندہ لے کر اس کی سلور جوبلی اور گولڈن جوبلی منائی جاتی ہے اور اس پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ لیکن خدا کی رحمت ہو عالمگیر پر کہ اس نے باوجود عظیم الشان شہنشاہ ہونے کے ساری عمر اپنی ذات کے لئے ایک پیسہ تک شاہی خزانہ سے نہ لیا۔ نہ ہی جوبلیاں اور جشن منا کر رعایا کو کنگال کیا۔

آج ہندوستان کے اس عظیم الشان شہنشاہ اور قابل فخر سپوت کو بعض متعصب لوگ برا بھلا کہتے ہیں۔ حالانکہ جیسا کہ اوپر وضاحت سے غیروں کی آراء سے ثابت کیا گیا ہے۔ عالمگیر ایک نیک۔ پارسا۔ تعصب سے بالا۔ اور ملک ورعایا کا حقیقی خیر خواہ اور بے شمار خوبیوں کا جامع بادشاہ تھا۔ اور اہل ملک کے لئے اس کی ذات اور حکومت بھی تقلید کے لئے بہت اعلیٰ نمونہ پایا جاتا ہے۔ کم از کم ان لوگوں سے بہت بڑھ کر نمونہ ملتا ہے۔ جو کئی پہلوؤں سے داغدار ہونے کے باوجود آج نیشنل ہیرو بنائے جا رہے ہیں ؎

ضرورت

(۱) نظارت ہذا کو مدرسۃ البنات کیلئے ایک استانی کی ضرورت ہے جو کم از کم میٹرک پاس ہو یا اتنی قابلیت رکھتی ہو۔ خواہشمند بہنیں اپنی درخواست مقامی پریذیڈنٹ کی سفارش سے نظارت ہذا میں بھجوا دیں۔ اسی سلسلہ میں مزید خط وکتابت بھی کی جا سکتی ہے

(۲) نظارت ہذا کو مدرسہ تعلیم الاسلام کیلئے ٹرینڈ اساتذہ کی ضرورت ہے۔ خواہشمند احباب اپنی درخواستیں مع نقول سرٹیفکیٹ مقامی امیر یا پریذیڈنٹ کی سفارش سے نظارت ہذا میں بھجوا دیں

ناظر تعلیم وتربیت قادیان